العقیدۃ الاسلامیۃ

اردو شرح

العقیدۃ الطحاویۃ

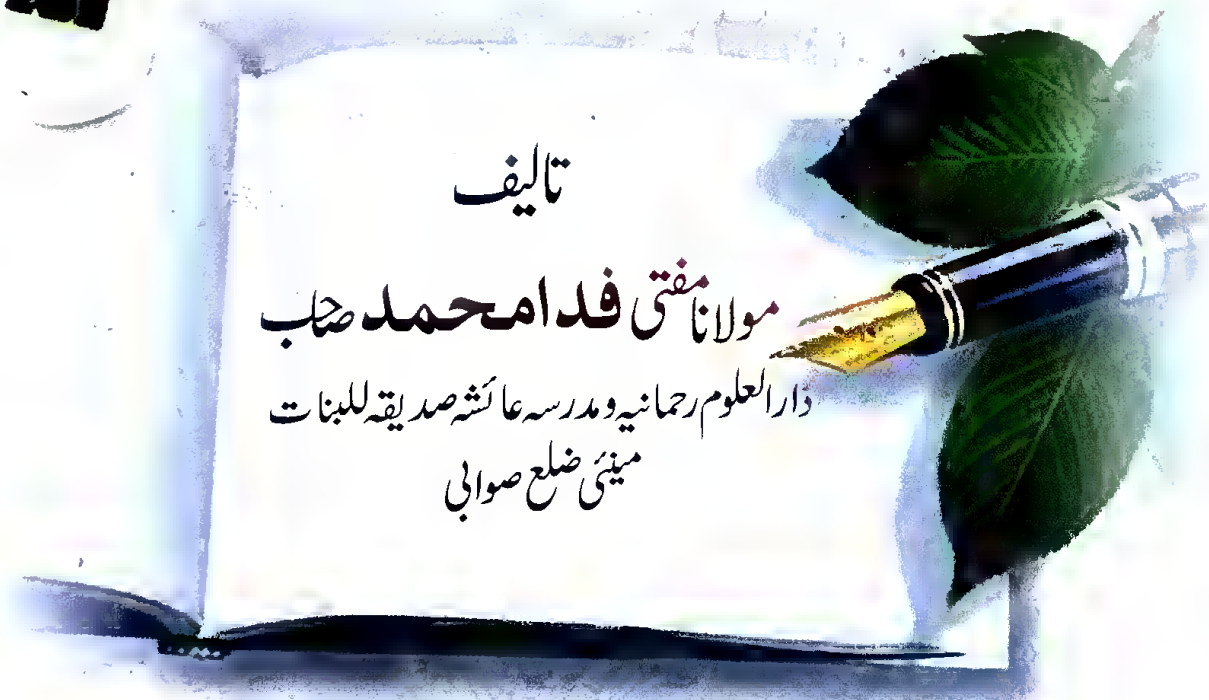

تالیف

مولانا مفتی فدا محمد صاحب

دار العلوم رحمانیہ و مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات

مینئ ضلع صوابی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ پشاور

العقیدۃ الاسلامیۃ

اردو شرح

العقیدۃ الطحاویۃ

تالیف

مولانا مفتی فدا محمد صاحب

دارالعلوم رحمانیہ و مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات

مینئ ضلع صوابی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مقابل رفاہ پلازہ اردو بازار محلہ جنگی پشاور

091 - 2580103

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

حضرات اہل علم، عزیز طلبہ وطالبات اور معزز قارئین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیزان محترم الحمدللہ مذکورہ کتاب العقیدۃ الاسلامیۃ کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اس کے باوجود اگر کوئی غلطی نظر آئے یا کوئی مفید تجویز ہو تو براہ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ
آئندہ اشاعت بہتر اور غلطی سے پاک ہو سکے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

نام کتاب: العقیدۃ الاسلامیۃ اردو شرح العقیدۃ الطحاویۃ

تالیف: ابوعبید مفتی فدا محمد صاحب

دارالعلوم رحمانیہ ومدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات

میئنی ضلع صوابی

ناشر: مکتبہ عمر فاروق اردو بازار محلہ جنگی پشاور

مکتبہ عمر فاروق

بالمقابل صفہ پلازہ اردو بازار محلہ جنگی پشاور

091 - 2580103

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پیش لفظ	۱۲
۲	امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات	۱۴
۳	نام ونسب	۱۴
۴	پیدائش ووفات	۱۴
۵	تحصیل علم	۱۵
۶	سماع حدیث کیلئے سفر	۱۶
۷	شیوخ واساتذہ	۱۶
۸	تلامذہ	۱۷
۹	علمی مرتبہ	۱۷
۱۰	امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا اعتراف	۱۸
۱۱	تصنیفات	۱۸
۱۲	چند فرقوں کا تعارف	۱۹
۱۳	اہل السنۃ والجماعۃ	۱۹
۱۴	مجوس	۲۰
۱۵	یہود	۲۱
۱۶	نصاریٰ	۲۲
۱۷	روافض	۲۳

۱۸	خوارج	۲۴
۱۹	معتزلہ	۲۵
۲۰	مشبہ	۲۷
۲۱	جہمیہ	۲۷
۲۲	مرجئہ	۲۸
۲۳	جبریہ	۲۸
۲۴	قدریہ	۲۸
۲۵	کرامیہ	۲۹
۲۶	اہل تناسخ	۲۹
۲۷	امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات	۳۰
۲۸	امام اشعری کا اصل کارنامہ	۳۱
۲۹	عبادت وتقویٰ	۳۲
۳۰	مسلک	۳۲
۳۱	تصنیفات	۳۳
۳۲	وفات	۳۳
۳۳	امام ابومنصور ماتریدی کا مختصر تعارف	۳۳
۳۴	آپ کی تاریخ ولادت	۳۴
۳۵	امام ماتریدی کے افکار کی اساس	۳۴
۳۶	امام ماتریدی کا تقوی اور ان کی کرامت	۳۵

۳۷	تصنیفات	۳۶
۳۸	وفات	۳۶
۳۹	خطبۃ الکتاب	۳۷
۴۰	توحید کا بیان	۳۷
۴۱	توحید کے تین مراتب	۳۸
۴۲	(۱) توحید فی الذات	۳۸
۴۳	(۲) توحید فی الصفات	۳۸
۴۴	(۳) توحید فی الافعال	۳۸
۴۵	شرک کی اقسام	۳۹
۴۶	شرک فی الذات	۳۹
۴۷	شرک فی الصفات	۳۹
۴۸	شرک فی العبادات	۳۹
۴۹	خدا کی ذات وصفات کے بارے میں ہندوؤں کا اعتقاد	۴۰
۵۰	اللہ تعالیٰ کا مثال نہیں	۴۰
۵۱	اللہ تعالیٰ عاجز نہیں	۴۱
۵۲	اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے	۴۱
۵۳	اللہ تعالیٰ کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء	۴۲
۵۴	اللہ تعالیٰ کیلئے فنا نہیں	۴۳
۵۵	جو اللہ چاہے وہی ہوگا	۴۴

۵۶	اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے عقل سے بالاتر ہے	۴۵
۵۷	مخلوق کے ساتھ اُسکی کوئی مشابہت نہیں	۴۵
۵۸	نہ اللہ تعالیٰ پر موت آتا ہے اور نہ نیند	۴۶
۵۹	اللہ تعالیٰ خالق بھی ہے اور رازق بھی	۴۷
۶۰	مخلوق کو ختم کر کے دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان	۴۸
۶۱	اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا	۴۹
۶۲	اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہے	۵۰
۶۳	اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے اور ہمیشہ رہے گا	۵۰
۶۴	اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء اور صفت خالقیت دائمی ہے	۵۱
۶۵	اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے محتاج نہیں	۵۱
۶۶	تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کو علم حاصل ہے	۵۳
۶۷	اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے اندازہ مقرر کیا	۵۳
۶۸	اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیلئے اجل مقرر کیا	۵۴
۶۹	اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے خبیر بھی ہے	۵۵
۷۰	اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا	۵۵
۷۱	تقدیر اور مشیت الٰہی کا بیان	۵۶
۷۲	جسے اللہ تعالیٰ چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے	۵۷
۷۳	تمام لوگ مشیت الٰہی کے تابع ہیں	۵۸
۷۴	نہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے اور نہ مقابل	۵۹

۷۵	اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو کوئی نہیں ٹال سکتا	۵۹
۷۶	ہر چیز منجانب اللہ ہے	۶۰
۷۷	رسالت کا بیان	۶۰
۷۸	عقیدہ ختم نبوت کا بیان	۶۲
۷۹	آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ گمراہی ہے	۶۴
۸۰	آپ کی بعثت عمومی ہے	۶۵
۸۱	قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے	۶۶
۸۲	قرآن جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل ہوا	۶۸
۸۳	قرآن کو بشر کا کلام کہنے والا کافر ہے	۶۹
۸۴	اللہ تعالیٰ کا اہل جنت کے ساتھ ہم کلامی	۶۹
۸۵	اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ	۷۰
۸۶	اللہ تعالیٰ کا تذکرہ انسانی اوصاف سے نہیں کیا جائے گا	۷۱
۸۷	رؤیت باری تعالیٰ کا بیان	۷۲
۸۸	شکوک وشبہات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے	۷۵
۸۹	رؤیت باری کیفیت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں	۷۶
۹۰	جہات ستہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں	۷۸
۹۱	معراج کا بیان	۸۰
۹۲	حوض کوثر حق اور سچ ہے	۸۱
۹۳	رسول ﷺ کی شفاعت کا بیان	۸۲

۹۴	عہد ''الست'' پر ایمان	۸۴
۹۵	اہل جنت اور اہل جہنم کی تعداد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے	۸۵
۹۶	شقاوت اور سعادت اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہوگا	۸۵
۹۷	مسئلہ تقدیر پر ایمان	۸۷
۹۸	اللہ کی چاہت کے ادلہ	۸۹
۹۹	تقدیر کا علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے	۹۶
۱۰۰	لوح محفوظ اور قلم پر ایمان ضروری ہے	۹۷
۱۰۱	کائنات کا علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے	۱۰۰
۱۰۲	عرش اور کرسی پر ایمان	۱۰۳
۱۰۳	اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے	۱۰۴
۱۰۴	اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہوسکتا ہے	۱۰۶
۱۰۵	ایمانیات کا بیان	۱۰۷
۱۰۶	تمام اہل قبلہ مسلمان ہیں	۱۱۰
۱۰۷	دین میں جھگڑے مناسب نہیں	۱۱۱
۱۰۸	قرآن کلام الٰہی ہے غیر مخلوق ہے	۱۱۱
۱۰۹	گناہ کبیرہ کا ارتکاب انسان کو ایمان سے نہیں نکالتا	۱۱۳
۱۱۰	مسلمان کو گناہ نقصان دیتا ہے	۱۱۴
۱۱۱	اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی	۱۱۴
۱۱۲	اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامیدی اور بے خوفی کفر ہے	۱۱۶

۱۱۳	ایمان سے خارج ہونے کا بیان	۱۱۷
۱۱۴	ایمان کس کا نام ہے	۱۱۸
۱۱۵	رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل حجت ہے	۱۲۰
۱۱۶	اہل ایمان میں کوئی تفاوت نہیں	۱۲۱
۱۱۷	ولی کون ہے	۱۲۲
۱۱۸	ایمانیات کا بیان	۱۲۳
۱۱۹	اصولی طور پر تمام انبیاء کا دین ایک ہے	۱۲۴
۱۲۰	اہل کبائر مخلد فی النار نہیں ہوں گے	۱۲۵
۱۲۱	گناہ کبیرہ کی تعریف	۱۲۶
۱۲۲	فاسق اور فاجر کی اقتداء میں نماز جائز ہے	۱۲۹
۱۲۳	ہم کسی مسلمان کیلئے جنت یا جہنم کا فیصلہ نہیں کر سکتے	۱۳۰
۱۲۴	ناحق خون بہانا منع ہے	۱۳۱
۱۲۵	مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت حرام ہے	۱۳۳
۱۲۶	فرقہ واریت سے اجتناب ضروری ہے	۱۳۵
۱۲۷	اہل اللہ سے محبت کا بیان	۱۳۶
۱۲۸	متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے	۱۳۷
۱۲۹	موزوں پر مسح کا حکم	۱۳۷
۱۳۰	حج اور جہاد فاسق کی قیادت میں ادا ہو سکتا ہے	۱۳۹
۱۳۱	کرامًا کاتبین پر ایمان لانا ضروری ہے	۱۳۹

۱۳۲	موت کے فرشتے پر ایمان	۱۴۰
۱۳۳	عذاب قبر حق اور سچ ہے	۱۴۱
۱۳۴	قبر کی زندگی کیا ہے	۱۴۴
۱۳۵	موت کے بعد والی زندگی کا بیان	۱۴۴
۱۳۶	جنت اور جہنم دونوں فی الحال موجود ہیں	۱۴۸
۱۳۷	خیر اور شر مقدر ہے	۱۴۹
۱۳۸	قدرتِ مجازی مدار تکلیف ہے	۱۵۰
۱۳۹	بندے اپنے افعال کے کاسب اور اللہ تعالیٰ خالق ہیں	۱۵۱
۱۴۰	معتزلہ کے دلائل	۱۵۶
۱۴۱	جبریہ کے دلائل	۱۵۳
۱۴۲	معتزلہ کے دلیل سے جواب	۱۵۳
۱۴۳	طاقت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتے	۱۵۳
۱۴۴	مشیت الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا	۱۵۴
۱۴۵	تقدیر کی دو قسمیں ہیں	۱۵۵
۱۴۶	ایصال ثواب کا شرعی حکم	۱۵۶
۱۴۷	معتزلہ کے دلائل	۱۵۸
۱۴۸	اللہ تعالیٰ دُعائیں قبول کرتا ہے	۱۵۸
۱۴۹	قبولیت دعا کے دلائل	۱۵۹
۱۵۰	دعا کے قبول ہونے کا مطلب	۱۵۹

۱۵۱	مشروعیت دعا کی حکمتیں	۱۶۰
۱۵۲	اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے	۱۶۱
۱۵۳	اللہ تعالیٰ کے غضب ورضا کا تذکرہ	۱۶۲
۱۵۴	صحابہ کرام کا مقام	۱۶۴
۱۵۵	خلافت کا بیان	۱۶۵
۱۵۶	خلفاء اربعہ کی مدت خلافت	۱۶۸
۱۵۷	عشرہ مبشرہ کا بیان	۱۶۸
۱۵۸	صحابہ کرام کا تذکرہ خیر اور بھلائی کے ساتھ کیا جائے	۱۶۹
۱۵۹	علماء اور صلحاء کا تذکرہ بھلائی اور خیر سے کریں گے	۱۷۰
۱۶۰	ولی نبی کو نہیں پہنچ سکتا	۱۷۱
۱۶۱	کرامات اولیاء حق ہیں	۱۷۲
۱۶۲	علامات قیامت کا بیان	۱۷۳
۱۶۳	کاہن اور نجومی کی بات نہیں ماننی	۱۷۴
۱۶۴	فرقہ واریت کی مذمت	۱۷۶
۱۶۵	اختلاف کی حقیقت	۱۷۷
۱۶۶	دین اسلام ہی عنداللہ مقبول ہے	۱۷۸
۱۶۷	دین اسلام معتدل دین ہے	۱۸۰
۱۶۸	کتاب کا خلاصہ	۱۸۲

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اسلام دین فطرت ہے۔اس لیئے انسانی فطرت کے مطابق آسان اور سلیس زبان میں عقائد، احکام اور اخلاق کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ اسلام کی اس فطری سادگی کے سبب علم کلام ابتداء ہی سے انتہائی سادہ اور مختصر تھا۔یعنی صاف اور سلیس زبان میں عقائد صحیحہ کا بیان کیا گیا تھا۔یہی متقدمین کا علم کہلاتا ہے۔

اس کے بعد بیرونی سازشوں کے سبب کچھ سیاسی اختلافات کا آغاز ہوا پھر ان سیاسی جماعتوں نے اپنے اختلافات کو مذھبی لباس پہنانے کیلئے عقائد میں تاویل وتلبیس بلکہ تحریف کا عمل شروع کیا تو علماء کرام اسکی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے اپنے ذوق اور انداز کے مطابق ان کا مقابلہ کیا جس سے علم کلام میں مزید بحثوں کا دروازہ کھل گیا اور علم کلام میں منطق اور فلسفہ کے بعض مباحث شامل کیے گئے یہی متاخرین کا علم کلام کہلاتا ہے۔

متقدمین کے انداز پر لکھا گیا عقائد کا مجموعہ ''العقیدۃ الطحاویۃ'' کے نام سے ایک جامع اور بہترین مجموعہ ہے۔اس میں منطق اور فلسفہ کی آمیزش نہیں ہے۔یہ نہایت مختصر اور بہت ہی نافع رسالہ امام ابوجعفر طحاوی (۲۳۹ تا ۳۲۱ھ) نے تصنیف فرمایا ہے۔یہ رسالہ ضخامت کے اعتبار سے مختصر لیکن فوائد کے اعتبار سے ایک خزانہ ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اس کو بہت پسند فرماتے تھے آپ اپنے استاد حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

''ہمارے شیخ محدث کبیر امام العصر انور شاہ کشمیریؒ ''عقیدۃ الطحاویۃ'' کو حنفیہ کی تمام کتب عقائد پر ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ''الفقہ الاکبر'' پر بھی ترجیح دیتے تھے۔''

یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے علماء نے اس رسالے کو منظور نظر رکھ کر متنوع جہات سے اسکی خدمت کی اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا ہے پاکستان بلکہ دنیائے عرب کے کئی مطابع نے اسے چھاپا ہے۔ خوش قسمتی سے گزشتہ کئی سالوں سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے اس کو نصاب میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی وجہ سے علمی حلقے اور بھی اس متن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

چونکہ یہ رسالہ درجہ سادسہ میں شرح العقائد کے بعد پڑھایا جاتا ہے کئی سالوں سے اللہ تعالیٰ نے شرح العقائد پڑھانے کی توفیق دی ہے اور اشرف الفوائد کے نام سے اللہ تعالیٰ نے اس پر شرح لکھنے کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمادیں۔

گزشتہ سال شرح العقائد کے بعد جب عقیدۃ الطحاویۃ کا درس شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس پر بھی کچھ اپنی بساط کے مطابق لکھوں۔ ایک بات تھی جو دل میں آئی اور گئی لیکن میرے رب کی مہربانی کہ اُس نے اپنے فضل وکرم سے اس کو وجود بخش دیا عقیدۃ الطحاویۃ تو چند ہی ایام میں ختم ہو گیا لیکن ساتھ ساتھ لکھنا شروع کیا درمیان میں کچھ رکاوٹیں بھی آگئیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شرح مکمل ہوا۔

میری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور اس کو امت کی عقائد کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ آمِیْنُ

ابوعبید فدا محمد عفا اللہ عنہ

دارالعلوم رحمانیہ ومدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات

مینی صوابی ۲۳ اگست ۲۰۱۶ء / ۱۸ ذی قعدہ ۱۴۳۷

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات:

امت نے جن محدثین کے مجموعوں کو صحاح ستہ کا درجہ دیا ہے ان کے ہم عصر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جو علم و تحقیق میں مجددانہ شان رکھتے ہیں، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وھو امام مجتھد ومجدد کما قال ابن الاثیر الجزری ''اس کا مطلب یہ ہے کہ شرح حدیث اور اس کے محامل وغوامض اور بحث وتحقیق کے لحاظ سے ان کو مجدد کہا گیا ہے، متقدمین اپنی کتابوں میں بحث وتحقیق کے بغیر روایات نقل کرتے چلے آتے ہیں، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحث وتحقیق کی جدید راہ کھولی۔

نام ونسب:

احمد نام، ابوجعفر کنیت، الازدی، الحجری، المصری، الطحاوی نسبت ہے۔ شجرہ نسب یہ ہے:

ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ الازدی الحجری المصری الطحاوی۔

امام موصوف کا تعلق چونکہ یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی شاخ حجر سے تھا اس لئے اس کی طرف منسوب ہوکر ازدی کہلاتے ہیں چونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آباء واجداد فتح اسلام کے بعد مصر آکر آباد ہوئے تھے اس لئے مصر کی طرف بھی نسبت کی گئی ہے۔

طحاوی، طحا صعید مصر میں ایک گاؤں ہے جس کی طرف منسوب ہوکر طحاوی کہلاتے ہیں اگرچہ صاحب معجم البلدان کی تحقیق یہ ہے کہ امام موصوف طحا کے باشندے نہیں تھے، بلکہ اس کے قریب ہی ایک مختصر آبادی جو تقریبا دس مکانات پر مشتمل تھی جس کو طحطوط کہتے ہیں اس کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وطن عزیز ہونے کا شرف حاصل ہے، مگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طحطوطی نسبت کو پسند نہ فرمایا بلکہ اپنے وطن سے قریبی آبادی طحا کی طرف نسبت کی۔

پیدائش ووفات:

سن پیدائش میں قدرے اختلاف ہے ۲۳۸ھ ۲۲۹ھ بتایا گیا ہے مگر مؤرخ ابن خلکان

نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت منقول ہے، سن وفات کے متعلق جمہور کی رائے ۳۲۱ھ ہے۔ تاریخ ولادت ''مصطفیٰ'' (۲۲۹ھ) مدت عمر، محمد (۹۲) تاریخ وفات محمد مصطفیٰ (۳۲۱)، قبر مبارک مصر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے پہلے واقع ہے۔

تحصیل علم:

امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ علم کی طلب میں مصر آئے اور وہاں اپنے ماموں ابراہیم مزنی رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے ان سے پڑھتے رہے، اس لئے ابتداء میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے، مگر چند سالوں کے بعد جب احمد بن ابی عمران حنفی مصر کے قاضی بن کر آئے تو ان کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے علم حاصل کیا، حتی کہ ان کے علم وفضل سے متاثر ہو کر فقہ حنفی کے متبع ہو گئے۔ محمد بن احمد شروطی نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے ماموں کی کیوں مخالفت کی، اور کیوں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو اختیار کیا؟ تو فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ماموں ہمیشہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، پس اسی لئے میں بھی اس کی طرف منتقل ہو گیا۔ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بالتفصیل نقل کیا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماموں مزنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر خود امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا، وہ فرماتے ہیں کہ ان کتابوں نے مجھے مذہب حنفی کا گرویدہ بنالیا، جس طرح میرے ماموں مزنی کو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مائل کر دیا تھا، جیسا کہ مختصر مزنی سے ظاہر ہے کہ بہت سے مسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے۔ چونکہ یہ خود امام طحاوی کا اپنا بیان ہے اس لئے یہی صحیح ومعتبر ہے۔ اس سلسلہ میں جو بہت سے واقعات لسان المیزان وغیرہ میں نقل کئے گئے ہیں وہ سب بے سند وخلافت درایت ہیں۔

سماع حدیث کیلئے سفر:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مصر کے دیگر محدثین کی خدمت میں بھی حاضر ہوکر فقہ وحدیث کو حاصل کیا جس میں چند کے نام یہ ہیں: یونس بن اعلیٰ المتوفی ۲۶۴ھ جن کے متعلق ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے شاندار الفاظ یہ ہیں: ''عالم الدیار المصریہ الامام الحافظ المقری ''اور ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم، بحر بن نصر، عیسیٰ بن شرود، ان کے علاوہ ابن عیینہ اور ابن وہب کے تلامذہ اور اس طبقہ کے دیگر مشائخ سے استفادہ کیا، اپنے شہر کے شیوخ سے استفادہ کے بعد ۲۶۸ھ میں ملک شام کا رخ کیا جہاں ابوحازم قاضی دمشق سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کی، اس کے بعد ۲۶۹ھ میں مصر واپس تشریف لائے۔ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کے تراجم پر نظر ڈالے گا تو اسے بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ ان کے شیوخ میں مصری، مغاربہ، یمنی، بصری، کوفی، حجازی، شامی، وخراسانی مختلف ممالک کے حضرات نظر آئیں گے جن سے امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار وآثار کا علم حاصل کیا، مصر اور اس کے علاوہ دیگر شہروں کے شیوخ سے تحصیل علم کیلئے بادیہ پیمائی کی، یہی نہیں بلکہ مصر میں ہر وارد ہونے والے محدث وعالم کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرتے، یہاں تک کہ وہ علوم جو مختلف اشخاص کے پاس پراگندہ تھے، ان سب کو امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے سمیٹ لیا۔

شیوخ واساتذہ:

ان کے شیوخ کی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے اس دور کے ہر خرمن حدیث سے خوشہ چینی کی، جن میں امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کے شیوخ بھی ہیں کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سن وفات ۲۵۶ھ ہے اس وقت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ سال کے تھے، اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی ہے جب کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ۳۲ سال کے

تھے۔

امام مالک امام ابو یوسف وامام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے اور تینوں کے واسطے سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ہیں، وہ ایسے مشائخ سے بھی روایت کرتے ہیں جن میں دیگر اصحاب صحاح شریک ہیں، ان کی تعداد ۳۶ ہیں، تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ امانی الاحبار

تلامذہ:

ان کے علمی کمالات نے ان کی ذات کو طالبانِ حدیث وفقہ کا مرجع بنادیا تھا اس لئے تلامذہ کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے ان کی ایک مختصر فہرست پیش ہے:

احمد بن قاسم خشاب، ابوالحسن محمد بن احمد احمیمی، ویوسف میانجی، ابوبکر بن المقرئی، طبرانی، احمد بن عبدالوارث زجاج، عبدالعزیز بن محمد جوہری، قاضی صعید، محمد بن بکر ابن مطروح اور ان کے علاوہ دیگر حضرات ہیں۔

علمی مرتبہ:

حفظ حدیث کے ساتھ وہ فقہ واجتہاد میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو طبقۂ ثالثہ کے مجتہدین میں شمار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مجتہدین ہیں جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جس میں صاحب مذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہو جیسے خصاب، ابوجعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خان اور ان جیسے حضرات ہیں، یہ لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اصول وفروع میں مخالفت نہیں کرتے البتہ حسب اصول وقواعد ان مسائل میں احکام کا استنباط کرتے ہیں جس میں صاحبِ مذہب سے کوئی نص نہ ہو، مگر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مختصر طحاوی دلالت کرتی ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مجتہد منتسب تھے، محض امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد نہ تھے کیونکہ بہت سے مسائل میں ان کے مذہب سے اختلاف کیا ہے، اس لئے مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ نے ان کو امام ابو یوسف

وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے طبقے میں شمار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ان کا مرتبہ ان دونوں سے کم نہیں تھا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا اعتراف:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے فضل وکمال، ثقاہت ودیانت کا اعتراف ہر دور کے محدثین ومؤرخین نے کیا ہے، جیسے متقدمین میں طبرانی، ابوبکر خطیب، حمیدی، ابن عساکر وغیرہ اور متاخرین میں ابی الحجاج مزی، حافظ ذہبی، علامہ ابن کثیر وغیرہ ہیں، واقعہ یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن وحدیث سے استنباط وتفقہ میں اپنے معاصرین ومابعد کے علماء میں نظیر نہیں رکھتے، انہیں اعلم الناس بمذہب الامام ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ کہا گیا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں کہ:

''کان الطحاوی من اعلم الناس بسیر الکوفیین واخبارھم وفقھم مع مشارکتھم فی جمیع المذاھب.''

''امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کوفیین کے سیر واخبار وفقہ کے بڑے عالم تو تھے ہی ساتھ ہی دیگر مذاہب سے بھی واقف تھے۔''

ابن حماد حنبلی نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے:

'' شیخ الحنفیۃ الثقۃ الثبت برع فی الحدیث والفقہ.''

ابن تغری نے ''احد الاعلام'' و''شیخ الاسلام'' کا خطاب دیا، وہ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تو فقہ وحدیث واختلاف علماء واحکام ولغت ونحو وغیرہ علوم میں نظیر نہیں رکھتے تھے اور انہوں نے بہترین کتابیں تصنیف کیں۔

علامہ ابن جوزی نے یہ شاندار الفاظ استعمال کئے ہیں ''کان ثبتا، فھما، فقیھا عاقلا''.

تصنیفات:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی چیدہ چیدہ اور مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) معانی الآثار (۲) مشکل الآثار (۳) کتاب احکام القرآن، (۴) مختصر الطحاوی (۵) نقض کتاب المدلسین (۶) عقیدۂ طحاویہ (۷) سنن الشافعی (۸) شرح الجامع الصغیر للامام محمد (۹) شرح الجامع الکبیر للامام محمد (۱۰) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ (۱۱) کتاب التسویہ بین حدثنا واخبرنا۔ (ملخص از ''محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے مولف تقی الدین امینیؒ)

امام سمعانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ بڑے پایہ کے عالم تھے فقہ میں بے مثال تھے، (۱) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ مصر کے بڑے محدث اور فقیہ تھے جو امام موصوف کی تصنیفات کا مطالعہ کرے گا اس کو ان کی علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ (۲)

چند فرقوں کا تعارف

یہاں چند فرقوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے، جن کا اس کتاب میں صراحۃً یا اشارۃً تذکرہ آیا ہے کتاب عقیدۃ الطحاویہ کو کماحقہ سمجھنے کیلئے ان فرقوں کا تعارف ضروری ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی وہ تمام فرقے دوزخی ہونگے ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) جنتی فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا جس میں میں اور میرے صحابہ ہوں گے۔

" قال رسول الله ﷺ تفترق امتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار الا ملة واحدة. قالوا من هي يا رسول الله (ﷺ)؟ قال ما انا عليه واصحابي." (۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل السنۃ والجماعۃ وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق پر مضبوطی سے قائم ہوں۔ جو تنازع اور اختلاف

---

(۱) الانساب ۸/۲۱۸ (۲) سیر اعلام النبلاء ۱۵/۲۷

(۳) رواہ الترمذی

کے وقت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان پر کسی کے قول کو مقدم نہیں کرتے، جو تمام اسلامی عقائد کو ان کی صحیح اور اصلی شکل میں قبول کرتے ہیں اور کسی بھی عقیدے کے بارے میں غلو یا افراط وتفریط کا شکار نہیں ہوتے۔ خلفاء راشدین، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول مقبول ﷺ کا علی الترتیب جانشین مانتے ہیں اور ان کے دور کو خلافت راشدہ تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن وسنت کے علاوہ اجماع امت کو حجت مانتے ہیں آئمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔(۱)

مجوس:

مجوس ایک خدا کی بجائے دو خدا مانتے ہیں۔ ایک خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ خیر اور بھلائی کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ اس کو یزدان کہتے ہیں۔ دوسرے خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ہر برائی اور شر کو پیدا کرتا ہے، اس کا نام وہ اہرمن رکھتے ہیں۔ مجوسیت کے عقیدے کے مطابق آگ بڑی مقدس چیز ہے، اس کو پوجتے ہیں، ہر وقت اس کو جلائے رکھتے ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو بجھنے نہیں دیتے۔ مجوس آگ کے ساتھ ساتھ سورج اور چاند کی بھی پرستش کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ مذہب بھی باطل اور شرک ہے کہ اس مذہب میں دو خدا مانے جاتے ہیں اور آگ کو پوجا جاتا ہے۔

مسلمانوں کو ان کے ساتھ بہت سے معاملات میں اہل کتاب جیسا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا۔ اسلام پھیلنے کے ساتھ ساتھ یہ مذہب ختم ہوتا چلا گیا۔(۲)

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۷۰

(۲) احکام القرآن للقرطبی ۱/۴۳

یہود:

لفظ یہود یا تو ہود سے لیا گیا ہے، جس کا معنی ہے ''توبہ'' یا ''یہودا'' سے لیا گیا ہے، جو حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائی اور بنی اسرائیل میں سے تھا اور تغلیبًا اس کا اطلاق تمام بنی اسرائیل پر کیا جاتا ہے۔ یہودی بزعم خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں، تورات ان کی آسمانی کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انہیں بنی اسرائیل کہا جاتا تھا، یہودی کب سے کہا جانے لگا، اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

یہودی مذہب کے بڑے عجیب وغریب عقائد ہیں، مثلا یہودی اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین مخلوق ہیں، یہودی اللہ کے بیٹے ہیں، دنیا میں اگر یہودی نہ ہوتے تو زمین کی ساری برکتیں اٹھالی جاتیں، سورج چھپالیا جاتا، بارشیں روک لی جاتیں، یہود غیر یہود سے ایسے افضل ہیں جیسے انسان جانوروں سے افضل ہیں، یہودی پر حرام ہے کہ وہ غیر یہودی پر نرمی ومہربانی سے پیش آئے، یہودی کے لئے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ غیر یہودی کے ساتھ بھلائی کرے، دنیا کے سارے خزانے یہودیوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، یہ ان کا حق ہے، لہٰذا ان کے لئے جیسے ممکن ہو ان پر قبضہ کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ صرف یہودی کی عبادت قبول کرتا ہے، ان کے عقیدہ میں انبیاء کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے بلکہ کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔

دجال ان کے عقیدے میں امام عدل ہے، اس کے آنے سے ساری دنیا میں ان کی حکومت قائم ہوجائے گی۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگاتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ ہم نے انہیں سولی پر لٹکا کر قتل کردیا۔ قرآن کریم نے ان کے غلط نظریات کی جابجا تردید کی ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ ان کے عقیدے میں اللہ تبارک وتعالیٰ زمین وآسمان بنانے کے بعد تھک گئے اور ساتویں دن آرام

کیا، اور وہ ساتواں دن ہفتہ کا دن تھا، اس قسم کے اور بھی بہت سارے واہی باطل عقیدے ان کے مذہب کا حصہ ہیں۔ یہ اہل کتاب ہیں اور اپنے ان عقائد کی بناء پر کافر و مشرک ہیں۔(۱)

نصاریٰ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بستی کا نام نصرانہ، ناصرۃ یا نصوریۃ تھا، اسی بستی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان لوگوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار اور حواری ہونے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا جو بزعم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ اس زمانہ میں انہیں عیسائی یا مسیحی نہیں کہنا چاہئے، اس لئے کہ عیسائی یا مسیحی کا معنی ہے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے متبعین، جبکہ فی الواقع یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات سے روگردانی کی اور انہیں بدل ڈالا۔ اسی لئے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں انہیں ان دو ناموں سے نہیں پکارا گیا بلکہ انہیں نصاریٰ، اہل الکتاب اور اہل انجیل کہا گیا ہے۔ اغلب یہی ہے کہ انہیں دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں نصاریٰ کا لقب دیا گیا۔

یہ بزعم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں، انجیل ان کی آسمانی کتاب ہے۔ ان کے عقائد بھی کفر و شرک پر مبنی ہیں، مثلاً عقیدۂ تثلیث کے قائل ہیں کہ الوہیت کے تین جزء اور عناصر ہیں، باپ، خود ذات باری تعالیٰ، بیٹا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ عیسیٰ کے سولی پر لٹکائے جانے کے قائل ہیں۔ اس بات کے قائل ہیں کہ آدم علیہ السلام نے جب شجر ممنوع سے دانہ کھایا تو وہ اور ان کی ذریت فنا کی مستحق ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کھایا اپنے کلمہ اور اپنے ازلی بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جسم ظاہری عطا فرما کر جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا، چنانچہ مریم علیہا السلام نے جب اس کلمہ ازلی کو جنا تو وہ الٰہ کی ماں بن گئی، پھر عیسیٰ علیہ السلام نے بے گناہ ہونے کے باوجود سولی پر چڑھنا گوارا کرلیا،

---

(۱) الادیان والفرق بحوالہ العقیدۃ الحنفیۃ ۱۴۰

تا کہ وہ آدم علیہ السلام کی خطاء کا کفارہ بن سکیں۔

نصاریٰ کے بہت سے گروہ ہیں مثلاً کیتھولک اور پروٹیسٹنیٹ وغیرہ مگر ان اصولی عقائد پر سب متفق ہیں، بعض فروع میں ان کا اختلاف ہے۔

نصاریٰ اہل کتاب ہیں اور اپنے عقیدۂ تثلیث، الوہیت مسیح علیہ السلام اور انکار رسالت محمد ﷺ اور دیگر شرکیہ وکفریہ عقائد کی بنا پر کافر اور مشرک ہیں۔

جو شخص انہیں یا یہود کو صحیح مذہب والا سمجھتا ہے یا ان کے بارے میں جنتی ہونے کا یا جہنمی نہ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

جہاں تک حقیقی تورات اور انجیل کا تعلق ہے، تو وہ سچی آسمانی کتابیں ہیں۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی، لیکن یہ دونوں آسمانی کتابیں اور تیسری کتاب زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی تھی تبدیل کر دی گئیں۔ آج تورات اور انجیل کے نام سے جو کتابیں موجود ہیں یہ وہ آسمانی کتابیں نہیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں تھیں، بلکہ محرف اور تبدیل شدہ ہیں۔ ان کی جو بات قرآن کریم اور احادیث معتبرہ کے مطابق ہو وہ مقبول ہے، ورنہ مردود، اور ان کی جس بات کے بارے میں قرآن وسنت خاموش ہوں، ہم اس کی تصدیق کریں گے نہ تکذیب۔ (۱)

روافض:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عبداللہ ابن سبا یہودی شخص نے اسلام قبول کیا، اس کا مقصد دین اسلام میں فتنہ پیدا کرنا اور اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیدا ہونے والے فتنے میں پیش پیش تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں بھی ملوث ہوا۔ اس شخص کے عقائد ونظریات سے رفض نے جنم لیا۔ روافض کے بہت سے گروہ

---

(۱) العقیدۃ الحنفیۃ ۱۴۱

ہیں، بعض محض تفضیلی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل سمجھتے ہیں اور کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کرتے، بعض تبرائی ہیں کہ چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ باقی سب کو برا بھلا کہتے ہیں، بعض الوہیت علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں، بعض تحریف قرآن کے قائل ہیں، بعض صفات باری تعالیٰ کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں، بعض اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھی بہت سی چیزیں واجب ہیں بعض آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کے قائل نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ روافض کے ہر گروہ کے عقائد دوسرے سے مختلف ہیں لہٰذا بحیثیت مجموعی ان پر ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ (۱)

خوارج:

خوارج، خارج کی جمع۔ خارج لغت میں باہر نکلنے والے کو کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو امام برحق واجب الاطاعت کی بغاوت کر کے اس کی اطاعت سے باہر نکل جائے۔

یہ لفظ ان باغیوں کا لقب اور نام پڑ گیا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بغاوت کر کے ان کی شان میں بہت سی گستاخیاں کیں۔ مسئلہ تحکیم کے موقع پر یہ گروہ پیدا ہوا، یہ تقریباً بارہ ہزار لوگ تھے۔ ان کے مختلف نام تھے، مثلاً محکمہ، حروریہ، نواصب اور مارقہ وغیرہ۔ ان لوگوں کے ظاہری حالات بڑے اچھے تھے، لیکن ظاہر جتنا اچھا تھا، باطن اتنا ہی برا تھا۔

مسئلہ تحکیم کے بعد یہ لوگ حروراء مقام پر چلے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں سمجھائیں اور انہیں امیر کی اطاعت میں واپس لائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سمجھانے سے بہت سے لوگ ان سے الگ ہو گئے اور امیر کی اطاعت میں واپس آ گئے، لیکن ان کے بڑے اور انکے موافقین اپنی ضد پر اڑے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس تشریف لائے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے

---

(۱) ردالمحتار ۴/ ۲۳۷

صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے ساتھ معرکہ ہوا۔ خارجیوں کی قیادت عبداللہ بن وہب اور ذی الخویصرہ حرقوص بن زید وغیرہ کے ہاتھ میں تھی، اس جنگ کے نتیجے میں اکثر خارجی قتل ہو گئے۔

خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر اور مخلد فی النار قرار دیتے تھے۔ اس شخص کو بھی کافر کہتے تھے جو ان کا ہم مسلک ہونے کے باوجود ان کے ساتھ قتال میں شریک نہ ہوتا، مخالفین کے بچوں اور عورتوں کے قتل کے قائل تھے۔ رجم کے قائل نہیں تھے، اطفال المشرکین کے خلود فی النار کے قائل تھے، اس بات کے بھی قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھی نبی بنا دیتے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ یہ بعد میں کافر ہو جائے گا، اس بات کے بھی قائل تھے کہ نبی بعثت سے پہلے معاذ اللہ کافر ہو سکتا ہے، خوارج مرتکب کبیرہ کو کافر اور مخلد فی النار قرار دیتے تھے، اس پر وہ ابلیس سے استدلال کرتے تھے کہ وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ نہ کر کے مرتکب کبیرہ ہوا تھا، اس بناء پر اس کو کافر قرار دے دیا گیا، معلوم ہوا مرتکب کبیرہ کافر ہو جاتا ہے، حالانکہ ابلیس محض ارتکاب کبیرہ کی بناء پر کافر نہیں ہوا بلکہ حکم خداوندی کے مقابلے میں انکار و استکبار اس کے کفر کا سبب ہے۔

معتزلہ:

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں یہ فرقہ معرض وجود میں آیا، اس فرقے کا بانی واصل بن عطاء الغزال تھا اور اس کا سب سے پہلا پیروکار عمرو بن عبید تھا جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد تھا۔ ان لوگوں کو اہل السنۃ والجماعت کے عقائد سے الگ ہو جانے کی بناء پر معتزلہ کہا جاتا ہے۔

معتزلہ کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے کہ ان لوگوں نے عقل کو نقل پر ترجیح دی ہے۔ عقل

کے خلاف قطعیات میں تاویلات کرتے ہیں اور ظنیات کا انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرتے ہیں، بندوں کے افعال کے حسن وقبح کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے افعال پر حسن وقبح کا حکم لگاتے ہیں۔ خلق اور کسب میں کوئی فرق نہیں کر پاتے۔ ان کے مذہب کے پانچ اصول ہیں:

۱۔عدل ۲۔توحید ۳۔انفاذ وعید ۴۔منزلۃ بین منزلتین ۵۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

۱۔ ''عقیدۂ عدل'' کے اندر درحقیقت اُن کا عقیدہ تقدیر مضمر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا خالق نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو خالق شر مانیں تو شریر لوگوں کو عذاب دینا ظلم ہوگا جو کہ خلاف عدل ہے جبکہ اللہ تعالیٰ عادل ہے، ظالم نہیں۔

۲۔ان کی ''توحید'' کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور قرآن کریم مخلوق ہیں، اگر انہیں غیر مخلوق مانیں تو تعدد قدماء لازم آتا ہے جو توحید کے خلاف ہے۔

۳۔ ''وعید'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عذاب بتلائے ہیں اور جو جو وعیدیں سنائی ہیں گناہ گاروں پر ان کو جاری کرنا، اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو معاف نہیں کر سکتا اور کسی گناہ گار کی توبہ قبول نہیں کر سکتا، اس پر لازم ہے کہ گناہ گار کو سزا دے جیسا کہ اس پر لازم ہے کہ نیک کو اجر وثواب دے، ورنہ انفاذ وعید نہیں ہوگا۔

۴۔ ''منزلہ بین منزلتین'' کا مطلب یہ ہے کہ معتزلہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک تیسرا درجہ مانتے ہیں اور وہ مرتکب کبیرہ کا درجہ ہے، ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ یعنی گنہ گار شخص ایمان سے نکل جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا، گویا وہ مسلمان ہے اور نہ کافر۔

۵۔ ''امر بالمعروف'' کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ جن احکامات کے ہم مکلف ہیں، دوسروں کو ان کا حکم کریں اور لازمی طور پر ان کی پابندی کروائیں اور ''نہی عن المنکر'' یہ ہے کہ اگر امام ظلم کرے تو اس کی بغاوت کر کے اس کے ساتھ قتال کیا جائے۔

معتزلہ کے یہ تمام اصول اور ان کی تشریحات عقل وقیاس پر مبنی ہیں، ان کے خلاف واضح

آیات واحادیث موجود ہیں، نصوص کی موجودگی میں عقل وقیاس کو مقدم کرنا سراسر غلطی اور گمراہی ہے۔(۱)

مشبہ:

یہ وہ فرقہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ صفات میں تشبیہ دیتا ہے۔اس فرقے کا بانی داؤد جواربی ہے۔ یہ مذہب، مذہب نصاریٰ کے برعکس ہے کہ وہ مخلوق یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خالق کے ساتھ ملاتے ہیں اور انہیں بھی الٰہ قرار دیتے ہیں اور یہ خالق کو مخلوق کے ساتھ ملاتے ہیں۔اس مذہب کے باطل اور گمراہ ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔(۲)

جہمیہ:

جہم بن صفوان سمرقندی کی طرف منسوب فرقے کا نام جہمیہ ہے۔ اس فرقے کے عجیب وغریب عقائد ہیں، یہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اللہ ''وجود مطلق'' کا نام ہے، پھر اس کے لئے جسم بھی مانتے ہیں۔ جنت اور جہنم کے فنا ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک ایمان صرف ''معرفت'' کا نام ہے اور کفر فقط ''جہل'' کا نام ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم کے قائل ہیں، ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی فعل نہیں ہے، اگر کسی کی طرف کوئی فعل منسوب ہوتا ہے تو وہ مجاز اہے۔

جہم بن صفوان، جعد بن درہم کا شاگرد تھا۔ جعد وغیرہ کا مذہب یہ بھی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نہیں ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نہیں ہیں۔ خالد بن عبداللہ القسری نے واسط شہر میں عید الاضحیٰ کے دن لوگوں کی موجودگی میں جعد کی قربانی کی اور اسے ذبح کردیا۔ معتزلہ نے بھی کچھ عقائد ان سے لئے ہیں۔(۳)

---

(۱) الاعتصام ۲/۱۸۱ (۲) شرح عقیدۃ سفارینیہ ۱/۹۱

(۳) عقیدۃ الطحاویہ مع الشرح ۵۲۲)

مرجیئہ:

ارجاء کا معنی ہے، پیچھے کرنا۔ یہ فرقہ اعمال کی ضرورت کا قائل نہیں، یہ اعمال کی حیثیت کو بالکل پیچھے کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے، تصدیق قلبی حاصل ہو تو بس کافی ہے۔ ان کا کہنا ہے جیسے کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی مفید نہیں، ایسے ہی ایمان یعنی تصدیق کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ مضر نہیں۔ جس طرح ایک کافر عمر بھر حسنات کرتے رہنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا، جنت اس پر حرام ہے اسی طرح گناہوں میں غرق ہونے والا مومن ایک لمحہ کے لئے بھی جہنم میں نہیں جائے گا جہنم اس پر حرام ہے۔ یہ مذہب بھی باطل اور سراسر گمراہی ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں جابجا مسلمانوں کو اعمال صالحہ کرنے کا اور اعمال سیئہ سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

جبریہ:

یہ فرقہ بھی جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے۔ یہ فرقہ بندہ کو جمادات کی طرح مجبور محض مانتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ کو افعال پر کوئی قدرت واختیار نہیں بلکہ اس کا ہر عمل محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقدیر، علم، ارادے اور قدرت سے ہوتا ہے جس میں بندے کا اپنا کوئی دخل نہیں۔ یہ مذہب صریح البطلان ہے، نقل وعقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے، اگر انسان کے پاس کوئی اختیار نہیں اور یہ مجبور محض ہے تو پھر اس کے لئے جزاء وسزا کیوں ہے۔ (۲)

قدریہ:

یہ جبریہ کے برعکس نظریات کا حامل فرقہ ہے، یہ انسان کو قادر مطلق مانتا ہے اور تقدیر کا منکر ہے۔

---

(۱) شرح عقیدۃ سفارینیۃ ۱/۸۹

(۲) عقیدۃ الطحاویہ مع الشرح ۵۲۴

احادیث میں قدریہ کو اس امت کا مجوس کہا گیا ہے۔ مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں اور یہ ہر ایک کو قادر مطلق کہہ کر بے شمار خداؤں کے قائل ہیں۔

یہ مذہب بھی باطل اور قرآن وحدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت اور عقل ومشاہدہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ ہی قادر مطلق ہے بلکہ کاسب ہے اور کسب کا اختیار اپنے اندر رکھتا ہے۔(۱)

کرامیّہ:

یہ فرقہ محمد بن کرام کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقے کا نام کرامیہ (بفتح الکاف وتشدید الراء) یا کرامیہ (بکسر الکاف مع تخفیف الراء) ہے۔ یہ شخص سجستان کا رہنے والا تھا، صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے، لیکن محققین کی رائے کے مطابق ان کا یہ مذہب دنیوی احکام کے اعتبار سے ہے، آخرت میں ایمان معتبر ہونے کے لئے ان کے ہاں بھی تصدیق ضروری ہے۔ بہر حال مجموعی اعتبار سے یہ بھی غلط اور گمراہ فرقہ ہے، ان کے مذہب میں مسافر پر نماز فرض نہیں، مسافر کے لئے قصر صلوٰۃ کی بجائے دو مرتبہ اللہ اکبر کہہ لینا کافی ہے۔

اہل تناسخ:

تناسخ درحقیقت بعض قدیم اقوام اور ھندوؤں کا عقیدہ ہے جو بعث بعد الموت کے منکر ہیں اور تناسخ کے قائل ہیں۔

تناسخ کے معنی ہیں روحوں کی تبدیلی اور ایک جسم سے دوسرے کو منتقل ہونا۔ اہل تناسخ آخرت کے منکر ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ بندے کو اچھے اور برے اعمال کی جزاء وسزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے، وہ اس طرح کہ نیک لوگوں کی روح اعلیٰ تر جسم میں منتقل ہو کر عزت پاتی ہے اور

---

(۱) مرقاۃ ۱/۱۷۸

برے لوگوں کی روح کمتر جسم میں منتقل ہو کر ذلیل وخوار ہوتی ہے، یہی نیک وبد کی جزا وسزا ہے۔

اہل تناسخ کے بہت سے فرقے ہیں بعض فرقے مدعی اسلام بھی ہیں ان کا مقتدی احمد بن حابط اور اسکا شاگرد احمد بن مانوس ہے ان کا ایک فرقہ دہریہ ہے بعض فرقے روحوں کے دوسری اجناس میں انتقال کے بھی قائل ہیں کہ انسانی روح جانوروں میں بھی منتقل ہو جاتی ہے، بعض اس کے قائل نہیں ہیں وہ صرف جنس میں انتقال روح کے قائل ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری کے حالات

ولادت: ۲۶۰ھ، وفات: ۳۳۴ھ

ابوالحسن علی نام والد کا نام اسمٰعیل تھا مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں تھے اور اشعر ملک یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے ان کی والدہ نے انکے والد اسمٰعیل کی وفات کے بعد مذہب اعتزال کے علمبردار اور معتزلہ کے مقتدا ابوعلی جبائی سے نکاح کر لیا تھا اس طرح شیخ ابوالحسن نے ابوعلی جبائی کی آغوش میں تربیت پائی امام اشعری معتزلہ کے رئیس ابوعلی جبائی کے شاگرد تھے۔ ان کی فصاحت وبلاغت طلاقت لسانی اور جودت طبع کا یہ عالم تھا کہ شاگردی کے زمانہ میں اپنے استاذ کی طرف سے مناظرہ کیا کرتے تھے اور بہت جلد ان کے معتمد اور دست راست بن گئے۔ ابوعلی جبائی اچھے مدرس ومصنف تھے مگر مباحثہ پر زیادہ قدرت نہ رکھتے تھے۔ ابوالحسن اشعری ابتداء ہی سے فصیح وبلیغ ذہین وذکی زباں آور اور حاضر جواب تھے۔ مناظرہ کے وقت جبائی انہیں کو آگے کر دیتا تھا اس لئے امام اشعری بہت جلد اپنی جماعت کے میر کارواں اور صدر نشین بن گئے۔ گویا یہ اہلسنت والجماعت پر معتزلہ کی نظر میں ایک سیف قاطع تھے ظاہری قرائن وقیاسات صاف بتلا رہے تھے کہ یہ اپنے مربی اور استاذ کے جانشین ہوں گے بلکہ ان سے مذہب اعتزال کی حمایت میں دو قدم آگے ہونگے، پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے۔ قدرت کے انتظامات عجیب ہیں آدمی کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے۔ علیم وقدیر ذات نے معتزلہ کی

تلوار کو پلٹ کر خود معتزلہ کی گردن پر رکھ دیا ہے۔ عرصہ سے طرفین کے دلائل کا موازنہ کرتا رہا لیکن کسی خاص جانب رجحان نہ معلوم ہوتا تھا میں نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ مجھے راہ حق پر گامزن کردے چنانچہ ہدایت مجھے دربار خداوندی سے عنایت ہوئی اسے میں نے اپنی کتابوں میں ودیعت کردیا سابقہ عقائد کے لبادہ کو میں نے یوں اتار پھینکا جیسے یہ لباس اُتارتا ہوں یہ کہہ کر اپنا پہنا ہوا جبہ اتار دیا اور اپنی کتابوں کو جو محدثین وفقہاء کے طرز پر لکھی تھیں لوگوں کے حوالے کردیا۔ ''طبقات الفقہاء'' مولفہ تاج الدین عبدالوہاب سبکی میں ہے کہ یہ ایک غیبی انتظام تھا کہ جس نے ساری زندگی مذہب اعتزال کی تائید ونصرت میں گزاری تھی اور اس کیلئے مسند اعتزال کی امامت تیار تھی قدرت نے سنت کی حفاظت وحمایت کیلئے اسی کو منتخب فرمایا اور تاریخ عالم میں اس کے نظائر بہت ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری نے اپنی ''کتاب الابانہ'' کے مقدمہ میں اپنے معتقدات ومسالک کی تفصیلات بیان کردی ہیں اور معتزلہ پر جو ان کے اعتراضات ہیں اس کی تفصیل بھی اس میں موجود ہے۔ من شاء فلیطالع

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مجھ سے سوال کرے کہ تم معتزلہ قدریہ جہمیہ مرجئہ خوارج اور شیعہ کی تردید کرتے ہو تو بتاؤ کہ تمہارا اپنا مذہب ومسلک کیا ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ ہم کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہیں اور ان اقوال وآثار پر سختی کے ساتھ قائم ہیں اور اس سے تمسک کرتے ہیں جو صحابہ تابعین اور ائمہ حدیث سے منقول ہیں ہم امام احمد کی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہیں اور ان کے مخالفین کے اقوال سے احتراز کرتے ہیں جب کفر وضلالت کا چرچا ہوا تو آپ کی بدولت حق جل جلالہ نے حق کو واضح فرمایا مبتدعین کی بدعات کا استیصال کیا جو لوگ شکوک وشبہات میں مبتلا تھے ان کے شکوک کو زائل فرمایا خداوند کریم انہیں خوش وخرم وشادماں رکھے اور سب ائمہ کرام پر باران رحمت برسائے۔

امام اشعری کا اصل کارنامہ:

''کتاب الابانة عن اصول الدیانة'' امام اشعری کی اعتزال سے علیحدگی کے بعد

اولین کتب میں سے ہے۔اس میں امام اشعری نے اپنے مسلک وعقیدہ کی جو وضاحت کی ہے اس کا مضمون ابھی گزر چکا ہے۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتاب وسنت پر عامل تھے۔اہل سنت والجماعت اور عقیدۂ سلف کے موافق تھے،اسی کی تائید کرتے تھے،لیکن درحقیقت یہ ان کا خصوصی کارنامہ نہیں۔یہ تو محدثین وحنابلہ انجام دے ہی رہے تھے۔ان کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے محدثین ومعتزلہ کے درمیان ایک معتدل طریقہ اختیار کیا جبکہ معتزلہ عقل کی غیر محدود طاقت اور فرمانروائی کے قائل تھے۔خداوند قدوس کی ذات وصفات جو بیرون قیاس ہیں اس کی حقیقت تک رسائی عقول انسانی اور حدود امکانی سے بالاتر ہیں۔مگر معتزلہ ان امور کی گتھی کو بھی ناخن عقل وتدبیر ظن وتخمین فضول وعبث قیاس آرائی سے سلجھانا چاہتے تھے اور عقل ہی کو ان امور میں معیار بنانا چاہتے تھے تو دوسری طرف بعض پر جوش اور جامد حنابلہ دین کی نصرت اور عقائد اسلامیہ کی حفاظت کیلئے عقل کی تحقیر کو ضروری سمجھتے تھے اور ان کلامی واعتقادی مباحث سے جو بتقاضائے اہل زمانہ شروع ہو گئے تھے اس سے اجتناب واحتیاط اور سکوت کو واجب خیال کرتے تھے۔ایسے وقت میں امام اشعری کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنوٹ استعمال کیا۔معتزلی کی لاٹھی سے انہیں کے دماغ کو پاش پاش کر دیا۔انہوں نے معتزلہ اور فلسفہ زدہ علماء سے انہیں کی زبان واصطلاحات میں گفتگو کر کے ان پر ثابت کر دیا کہ اہل سنت کے عقائد منقول وماثور ہیں۔

عبادت وتقویٰ:

احمد بن علی فقیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام اشعری کی بیس سال تک خدمت کی میں نے ان سے متقی پرہیز گار باحیا دنیاوی معاملات میں شرمیلا امور آخرت میں مستعد نہیں دیکھا متکلم ابوالحسین راوی کا بیان ہے کہ امام ابوالحسن نے برسوں عشاء کی وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔

مسلک:

ابوبکر بن فورک نے طبقات متکلمین میں لکھا ہے کہ اشعری فقہ میں امام شافعی کے مذہب

پر تھے اور یہ جو بعضے مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ مالکی تھے یہ وہم ہے وہ شافعی ہی تھے اور معتزلہ اشعریہ کو اثریہ بھی کہتے ہیں۔

تصنیفات:

امام اشعری نے خود اپنی کتاب ''العمد'' میں ان کتابوں کے نام لکھے ہیں جو ۳۳۰ھ یعنی وفات سے چار سال پہلے تک تصنیف کر چکے تھے یہ ۶۸ کتابیں ہیں جن میں سے متعدد دس بارہ بارہ جلدوں میں ہیں انہوں نے اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی جو ذہبی کے بیان کے مطابق تیس اجزا میں تھے ان کی تصنیفات اکثر معتزلہ کے رد میں ہیں اور بعض دوسرے مذاہب وادیان کی تردید میں ہیں۔ ان میں ایک کتاب الفصول ہے جس میں انہوں نے فلاسفہ دہریہ، یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور ہندوؤں کا رد کیا ہے یہ بڑی کتاب ہے اور بارہ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وفات سے چار سال قبل وہ ۶۸ کتابیں جن میں بعض بہت ضخیم بھی ہیں تصنیف فرما چکے تھے آخری چار سال میں بھی انہوں نے بکثرت تصنیفات کیں جن میں سے ''مقالات الاسلامیین'' مشہور کتاب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم عقائد کے بلند پایہ اور محتاط مورخ بھی تھے۔

وفات:

۳۳۴ھ میں امام ابوالحسن اشعری کی وفات ہوئی اور بغداد محلہ مشرع الزوریا میں مدفون ہوئے ان کے جنازے پر اعلان کیا گیا کہ آج ناصر سنت کا انتقال ہو گیا ہے۔ (۱)

امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کا مختصر تعارف:

ماتریدیہ فرقہ امام محمد بن محمد بن محمود ماتریدی کی جانب منسوب ہے ابو منصور کنیت تھی آپ

---

(۱) تبیین کذب المفتری ص ۱۲۸

سمرقند کے محلہ ماتریدیہ میں پیدا ہوئے بعض کہتے ہیں کہ سمرقند کے شہروں میں ماترید بھی ایک شہر کا نام ہے سمرقند ماوراء النہر کے علاقہ میں ہے۔

آپ کی تاریخ ولادت:

اس کے متعلق یقینی طور سے کچھ نہیں کہا جاسکتا قرائن وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تیسری صدی ہجری کے نصف میں پیدا ہوئے حتمی طور پر کہا جاسکتا ہے آپ نے حنفی فقہ اور علم کلام کی تعلیم کے سلسلہ میں نصر بن یحییٰ بلخی المتوفی ۲۶۸ھ کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا۔(۱) لیکن ''الفروق والمذاہب فی الاسلام'' کے صفحہ ۳۹ میں ہے کہ ابوبکر احمد جوزجانی تلمیذ ابوسلیمان جوزجانی سے فقہ حاصل کی اس دور میں جب محدثین وفقہاء معتزلہ کے خلاف صف آرا ہوئے تو ان کی مناظرہ بازی کا مرکز ومحور علم الکلام علم فقہ اصول فقہ کے علوم وفنون تھے۔امام ماتریدی نظری وفکری مسابقت کے میدان میں پلے بڑھے آپ حنفی المسلک تھے لہٰذا آپ کی جولانگاہ فکر ونظر زیادہ تر فقہا اصول اور اصول دین کے علوم ومعارف تھے امام ماتریدی فقہاء ومحدثین کی تائید وتوثیق کیلئے کمربستہ ہوگئے اگرچہ آپ کا طرز وانداز بڑی حد تک اشاعرہ سے جداگانہ نوعیت کا تھا تاہم دونوں کے نتائج اکثر ہم آہنگ ہوتے البتہ قلیل مسائل میں اختلاف بھی ہے کماسیأتی۔

امام ماتریدی کے افکار کی اساس:

علماء محققین کی تحقیق ہے کہ امام ماتریدی کو جن آثار ونتائج تک رسائی حاصل ہوئی وہ بڑی حد تک امام ابوحنیفہ اور امام ابومنصور ماتریدی کے افکار وآرا کا علمی موازنہ کرنے سے ان کی باہمی یگانت ومماثلت کا صحیح اندازہ ہوجاتا ہے اس لئے علمائے محققین کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ امام ماتریدی کے افکار وآراء کی اصل واساس امام ابوحنیفہ کے اقوال وآثار تھے اور صرف ظن وتخمین وقیاس آرائی ہی نہیں ہے بلکہ امام ماتریدی امام اعظم کی کتب کے راوی بھی ہیں ان کتب کے

(۱) اسلامی مذاہب ص ۲۳۸

ملاحظہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ امام ماتریدی تین وسائط کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ عقائد سے متعلق امام ماتریدی کے نظریات امام ابوحنیفہ کے ان اقوال پر مبنی تھے جوانہوں نے ان رسائل میں بیان کئے امام ماتریدی نے امام ابوحنیفہ کے افکار ونظریات کو عقلی ونقلی ومنطقی دلائل سے ثابت کیا ہے جو بلاشک وشبہ بڑی قابل قدر چیز ہے اشارات المرام کے مصنف کا بیان ہے کہ امام ماتریدی نے قطعی دلائل کی روشنی میں ان اصولوں کو ثابت کیا اور یقینی براہین کی بناء پر ان فروعات کو استحکام بخشا۔ علامہ کوثری ''اشارات المرام'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد ماوراء النہر بدعات کی آلودگی سے پاک وصاف تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ دلوں پر بلاشرکت غیرے حدیث نبوی کا سلسلہ جاری تھا۔ احادیث وآثار کا یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ تا آنکہ ماوراء النہر کے امام اہل سنت ابومنصور ماتریدی جن کو امام ہدایت کے لقب سے پکارا جاتا تھا منظر عام پر آئے۔ انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مسائل ودلائل کی تحقیق وتدقیق کی نذر کردیا اور اپنی گراں بہا تصانیف میں عقل ومذہب دونوں کو پیش نظر رکھا۔ (۱)

امام ماتریدی کا تقویٰ اور ان کی کرامت:

مشائخ کبار میں بڑے محقق ومدقق اور متکلمین کے امام عابد وزاہد صاحب کرامات بزرگ تھے۔ فقہ میں حنفی المذہب تھے ان کے زمانہ میں مذہب امام ابوحنیفہ کی امامت ان پر منتہی ہوئی آپ کا ایک باغ تھا جس میں خود کام کرتے تھے، اپنے مہمانوں کو باغ میں سے بے موسم پھل کھلاتے تھے لوگوں نے حیرت کی تو فرمایا کہ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے کوئی گناہ نہیں کیا اس لئے جو چیز اس کے ذریعہ سے چاہتا ہوں حاصل ہوجاتی ہے۔

لوگوں نے بادشاہ کے مظالم سے تنگ ہوکر آپ سے شکایت کی تو گھاس سے کمان اور تنکے سے تیر بنا کر اس ظالم بادشاہ کی طرف پھینکا۔ معلوم ہوا کہ اسی تاریخ میں قتل کیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (۲)

---

(۱) مقدمہ اشارات المرام ص ۹ (۲) تذکرۃ المحدثین ۲/ ۸۷

تصنیفات:

امام ابومنصور ماتریدی ہمہ کمالات بہت بڑے مصنف بھی تھے معتزلہ روافض اور قرامطہ کی تردید میں ان کی بڑی فاضلانہ تصنیفات ہیں ان کی کتاب تاویلات القرآن اپنے موضوع میں ایک جلیل القدر تصنیف ہے جس سے انکی غیر معمولی قابلیت علوم عقلیہ ونقلیہ سے واقفیت اور اعلیٰ درجہ کی ذکاوت کا اظہار ہوتا ہے۔ تاویلات القرآن اُن کی ایسی تصنیف ہے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتی بلکہ اس فن میں جو تصنیفات پہلے ہوچکی ہیں کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتی جہاں تک ممکن ہوتا ہے امام ماتریدی قرآن کی تفسیر قرآن سے کرتے ہیں کیونکہ ایک چیز کہیں مجمل ومبہم ہے تو دوسری جگہ قرآن عزیز میں وہی چیز زیادہ واضح اور صاف ہے۔ قرآن عزیز میں ہے کہ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ (الِ عمران)

اس آیت کی تفسیر اسی اصول کے مطابق کرتے ہیں کہ آپ متشابہات کو محکمات پر محمول کرتے ہیں اور متشابہات کو ام الکتاب یعنی محکمات کی جانب راجع کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ماتریدی نے عقائد وکلام میں اعلیٰ مرتبہ کی اور بڑی قابل قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں پہلی تو وہی ''تاویلات القرآن'' ہے، علاوہ ازیں کتاب ماخذ الشرائع فقہ میں، کتاب الجدل اصول فقہ میں، کتاب التوحید، کتاب المقالات فی الکلام، رد کتاب الامامۃ روافض کی تردید میں، الرد علی القرامطہ، کتاب اوہام المعتزلہ، ردوعید الفسق للعنبی، ردتہذیب الجدل للعنبی، ردا وائل الادلۃ للعنبی، ردالاصول الخمسۃ لابی محمد الباہلی، بعضوں نے کتاب بیان فساد رائی المعتزلہ بھی لکھا ہے۔

وفات:

شیخ ابوزہرہ مصری فرماتے ہیں کہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ کی وفات ۳۳۳ھ میں ہوئی۔ (۱) (اسلامی مذاہب ص ۲۳۸)

خطبة الكتاب

بسم الله الرحمن الرحيم

قَالَ العلامة حجة الاسلام اَبُوْ جعفرِ اَلْوَرَّاقُ الطَّحَاوِی بمصر رَحِمَهُ اللهُ تعالیٰ :هٰذَا ذِكْرُ بَيَانِ عَقِيْدَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلٰى مَذْهَبِ فُقَهَاءِ الْمِلَّةِ اَبِیْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِت اَلْكُوْفِیْ وَاَبِیْ يُوْسُفَ يَعْقُوْبَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ الْاَنْصَارِیِّ وَاَبِیْ عَبْدِاللهِ مُحَمَّدِبْنِ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِیِّ رِضْوَانَ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ. وَمَا يَعْتَقِدُوْنَ مِنْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ وَيَدِيْنُوْنَ بِهٖ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

ترجمہ: الحمد للہ رب العلمین ،علامہ حجۃ الاسلام ابوجعفر الوراق طحاوی مصری رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ فقہاء ملت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی' امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری، امام عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی، رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مذہب کے مطابق اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کا بیان ہے، نیز اصول دین میں ان کے اعتقادات، اور رب العلمین کے حق میں ان کے جو معتقدات ہیں ان کا بیان ہے۔

تشریح:۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے فقہ حنفی کے ائمہ ثلاثہ کے بیان کردہ عقائد کو اس مختصر سا رسالہ میں جمع فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، انبیاء علیہم السلام آسمانی کتابیں ملائکہ، برزخ قیامت، جنت وجہنم وغیرہ کے بارے میں وہ حضرات جو اعتقاد رکھتے تھے ان کو جمع فرمایا تا کہ فقہی مسائل کی طرح عقائد میں بھی انہی حضرات کے بیان کردہ عقائد کو اپنایا جاسکے۔

توحید کا بیان

قوله: نَقُوْلُ فِیْ تَوْحِيْدِاللهِ مُعْتَقِدِيْنَ بِتَوْفِيْقِ اللهِ

عقیدۃ:۱ ''اِنَّ اللهَ وَاحِدٌ لاَ شَرِيْکَ لَهٗ.''

ترجمہ: توفیق ایزدی کے ساتھ توحید باری تعالیٰ سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں کہ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید سے کتاب کا آغاز کیا کیونکہ اسلام کا رکن اعظم اور تمام عبادات کی بنیاد ہے۔ تمام انبیاء کرام کا سب سے پہلا وظیفہ توحید کا بیان ہے۔ یہ ایمان کی اساس اور بنیاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا ایھا الناس وحدوا اللہ فان التوحید رأس الطاغات . ترجمہ: اے لوگوں اللہ تعالیٰ کو ایک مانو کیونکہ توحید تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

امرت ان اقاتل الناس حتي يشهدوا ان لاإله إلا الله وان محمدًا رسول الله.

ترجمہ: مجھے حکم دی گئی ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک قتال کروں کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یہی وہ پہلا اعلان ہے جو بچے کی کان میں پیدائش کے بعد دی جاتی ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس کا اقرار کرے تو وہ جنتی ہے۔ لہذا توحید ایک مسلمان کا سب سے پہلے وظیفہ اور آخری وظیفہ ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات، اسماء اور افعال میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ توحید کے بالمقابل شرک ہے۔

توحید کے تین مراتب۔

۱۔ توحید فی الذات:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور لاشریک ہے جو عبادت کا مستحق ہے۔

۲۔ توحید فی الصفات:۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات واحد لاشریک ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی ہر صفت میں یکتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرح صفات کسی کیلئے ثابت نہیں۔

۳۔ توحید فی الافعال:۔ ہر فعل کے بارے میں یہ کامل یقین رکھنا کہ ہر چیز کو وجود بخشنے والی صرف ذات الٰہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

توحید کے بالمقابل شرک ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اسماء اور

افعال واحکام میں کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے برابر کر دینا۔

شرک کی اقسام

۱۔شرک فی الذات:۔اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی خدائی میں کسی کو شریک کرنا۔

۲۔شرک فی الصفات:۔اللہ تعالیٰ کے وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اُن میں دوسروں کو شریک کر دینا۔شرک فی السمع ،شرک فی البصر ،شرک فی العلم اور شرک فی القدرت وغیرہ وغیرہ اس کے نیچے آسکتے ہیں۔

۳۔شرک فی العبادات:۔عبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے جو عبادت میں غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے یہ شرک فی العبادت ہے مثلاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا،رکوع کرنا کسی قبر کو سجدہ کرنا کسی نبی،ولی یا پیر کے نام روزہ رکھنا کسی کی نام کی منت ماننا کسی سے اللہ تعالیٰ کی طرح حاجات مانگنا یہ سب شرک فی العبادات میں داخل ہیں۔

تمام معروف مذاہب والے کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے قائل ہیں اگرچہ اُن کے فساد عقیدہ کی وجہ سے صرف اللہ تعالیٰ کی وجود کا ماننا اُن کو کوئی فائدہ نہیں دیتا تاہم وہ مانتے ضرور ہیں سوائے کمیونزم اور سوشلزم کے کہ جو لوگ کمیونسٹ اور سوشلسٹ ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے منکر ہوتے ہیں۔چنانچہ اکتوبر ۱۹۲۰ میں لینن نے ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''یقیناً ہم اللہ کی ذات سے منکر ہیں۔اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں اور جو لوگ خدا کے حوالے سے کلام کرتے ہیں وہ صرف استحصال کرنے والے کی حیثیت سے اپنے مفادات کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں.....ہم ایسے تمام اخلاقی ضابطوں کا انکار کرتے ہیں جو کہ انسانوں سے ماوراء کسی مافوق طاقت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ (۱)

---

(۱) علم جدید کا چیلنج ص ۲۷

خدا کی ذات وصفات کے بارے میں ھندوں کا اعتقاد

البیرونی کتاب الھند میں لکھتے ہیں کہ ھندوں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ واحد ہے اور ازلی ہے جسکی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء اپنے فعل میں مختار ہے قادر ہے حکیم ہے زندہ ہے زندہ کرنے والا ہے۔ اُس کا کوئی مقابل اور مماثل نہیں (۱) مشرکین مکہ کہا کرتے تھے مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ . (۲) ہم بت پرستی اس لیے کرتے ہیں کہ یہ بت ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردے۔

امریکی سائنسدان جارج ارل ڈیوس کہتے ہیں

میں کسی مھمل تصور کو اپنانے کے بجائے ایک ایسے خدا پر عقیدے کو ترجیح دیتا ہوں جس نے عالم مادی کی تخلیق کی ہے اور وہ خود اس کائنات کا جزء نہیں ہے بلکہ اسی کا فرمان روا اور مدبّر ہے۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کا مثال نہیں

عقیدۃ:۲ وَلاَ شَیْءَ مِثْلُهٗ.

ترجمہ:۔ کائنات کی کوئی بھی چیز اس کی مثل نہیں۔''

تشریح:۔ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ذات، صفات، اسماء، افعال اور احکام میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں۔ یہ عقیدہ درحقیقت اس آیت سے لیا ہوا ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ . (۴)

ترجمہ: کوئی چیز اُس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس عقیدہ میں فرقہ مشبھہ کی تردید ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء وجوارح ثابت کرتے ہیں۔ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ. (۵)

---

(۱) کتاب الھند ج ۱ ص ۲۷ (۲) الزمر ۳ (۳) علم جدید کا چیلنج
(۴) شوریٰ ۱۱ (۵) اخلاص، ۵

ترجمہ: کوئی اُس کا ہمسر نہیں۔ یعنی کائنات کی کوئی چیز نہ اُس کی ذات اور صفات کے برابر ہے نہ کسی کا فیصلہ اور حکم اُس کے فیصلے اور حکم کے برابر ہے نہ کسی کا مقام و مرتبہ اُس کے مقام و مرتبہ کے برابر ہے اُس کا اپنا ایک شان ہے جو اُس کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ عاجز نہیں

عقیدۃ ۳: "وَلَا شَیْءٌ یُعْجِزُہٗ.

ترجمہ": اور نہ ہی کوئی چیز اُسے عاجز کر سکتی ہے۔"

تشریح: اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ اس قرآنی آیت سے ماخوذ ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا (۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ زمینوں اور آسمانوں میں کوئی چیز اُس کو عاجز کر سکے وہ علم والا اور قدرت والا ہے۔

کسی کی عاجز ہونے کی دو سبب ہو سکتے ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ وہ ضعیف اور کمزور ہو وہ کام کی طاقت نہیں رکھتا اگر کرنا بھی چاہے تو کر نہیں سکتا دوسرا سبب جہالت اور نادانی ہے کہ وہ ایک کام کرنا چاہتا ہے لیکن لاعلمی کی وجہ سے کر نہیں کر سکتا لہذا معذرت کر لیتا ہے کہ میں اس کام کے کرنے سے عاجز ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل ہے وہ غالب اور ہر چیز پر قادر ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (۲) یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔

عقیدۃ: ۴ "وَلَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ."

ترجمہ: اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تشریح: یعنی لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ. بے شک یہ وہ کلمہ توحید اور کلمہ طیبہ ہے جسکی طرف تمام انبیاء کرام

---

(۱) فاطر ۴۴ (۲) آل عمران ۲۹

نے دعوت دی اور اسکی اقرار سے انسان کفر کے اندھیروں سے نور ایمان میں داخل ہوجاتا ہے چونکہ یہ ایک بنیادی عقیدہ ہے لہذا جگہ جگہ قرآن پاک کے اندر مذکور ہے۔ عقل بھی یہی تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات واحد اور لاشریک ہونی چاہیئے ورنہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا. (۱) ترجمہ: اگر اس کائنات میں ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور رب موجود ہوجائے تو کائنات کا نظام درھم برھم ہوجائے گا۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (۲) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء

عقیدۃ: ۵ "قَدِيْمٌ بِلَا اِبْتِدَاءٍ دَائِمٌ بِلَا اِنْتِهَاءٍ

ترجمہ: ہمیشہ سے ہے جسکی کوئی ابتداء نہیں اور ہمیشہ رہے گا جسکی انتہاء نہیں۔

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء یہی عقیدہ درحقیقت اسماء حسنیٰ "الاول والآخر" کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جب کائنات کا ایک ذرہ بھی موجود نہیں تھا تو ذات الٰہی موجود تھی اور جب یہ کائناتی نظام درھم برھم ہوجائے گا پھر بھی اللہ کی ذات موجود رہے گی۔ اس عقیدے کا تذکرہ قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ هو الاول والآخر. (۳) وہ سب سے پہلا اور سب سے پچھلا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ (۴) ترجمہ: اے اللہ تو ہی اول ہے آپ سے پہلے کوئی نہیں اور تو ہی سب سے آخر ہے آپ کے بعد کوئی نہیں۔ جسکی ابتداء معلوم نہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی حد ہو

---

(۱) الانبیاء ۲۲ (۲) البقرہ ۱۶۳

(۳) الحدید ۳ (۴) مسلم حدیث نمبر ۲۷۱۳

اس کوازلی اور قدیم کہتے ہیں جسکی انتہاء معلوم نہ ہواور نہ ہی اسکی کوئی حد ہواُس کودائمی اور ابدی کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ''قدیم'' شامل نہیں ہے البتہ اہل کلام نے اس کو بعد میں شامل کیا ہے۔اس پر دلالت کرنے والا نام ''الاول'' ہے الاول کا استعمال بمقابلہ قدیم کے زیادہ مناسب اور اولیٰ ہے کیونکہ اس میں اشارہ مقصود ہے کہ اُس کے بعد جو کچھ ہے وہ سب اُس کے تابع ہے جبکہ قدیم میں یہ اشارہ نہیں پایا جاتا۔لفظی طور پر قدیم بمقابلہ جدید استعمال ہوتا ہے قرآن پاک میں یہ لفظ مستعمل ہے هٰذا اِفْكٌ قَدِيْمٌ. (۱) حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ. (۲)

اللہ تعالیٰ کیلئے فنا نہیں

عقیدۃ: ۶ ''لَایَفْنیٰ وَلَا یَبِیْدُ''

ترجمہ: ''وہ ذات نہ فنا ہوگی اور نہ ختم ہوگی۔

تشریح:۔بادَ یَبِیْدُ بیدًا و بیادًا (ضرب) اس کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔یہ عقیدہ درحقیقت سابقہ عقیدہ کی تاکید ہے۔اس میں استعمال شدہ دونوں الفاظ قریب المعنی ہیں۔فنیٰ کے معنی ہیں خود زایل ہونا اور بید کے معنی ہیں غیر کے ہلاک کرنے سے زایل ہونا۔یہ عقیدہ درحقیقت اس آیت کی ترجمانی ہے۔كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. (۳) ترجمہ: زمین کی ہر چیز فناء ہوگی اور تیرے رب کی عظمت وبرکت والی ذات باقی رہے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (۴) اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔موجودات کی دو قسمیں ہیں۔۱۔ممکن:۔جس کو وجود خارج سے لاحق ہوتا ہے اور اس کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہو۔ ۲۔واجب: کہ وجود اُسکی ذات میں داخل ہو اس سے جدا نہ ہوتا ہو اور اُسی کا وجود ضروری ہو، تو اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے ممکن الوجود نہیں ہے

---

(۱) الاحقاف ۱۱ (۲) یٰسٓ ۳۹

(۳) الرحمٰن آیت ۲۶-۲۷ (۴) القصص ۸۸

باقی تمام کائنات ممکن الوجود ہے۔

جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوگا

عقیدۃ:۷ "وَلَایَکُوْنُ اِلَّامَایُرِیْدُ."

ترجمہ: "اس جہاں میں وہی کچھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔"

تشریح:۔اس عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی صفت ارادے کا بیان ہے جگہ جگہ اس کی تعبیر مشیت سے بھی کی گئی ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (۱) ترجمہ: جو چاہتا ہے وہ کر دیتا ہے۔اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ (۲) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ یہاں صرف ارادہ ذکر کیا گیا ہے جبکہ شرح العقاید میں ارادہ اور مشیّت دونوں الفاظ اکھٹے مذکور ہیں۔اس عقیدے میں ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ارادے کا اثبات ہے دوسری طرف معتزلہ کی تردید ہے۔معتزلہ کا زعم باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے لوگوں سے ایمان کا ارادہ کیا اور کافر نے کفر کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ موجود نہیں ہوا اور کافر کا ارادہ موجود ہو گیا۔اُن کا یہ قول انتہائی مردود اور باطل ہے اور قرآن وحدیث سے خلاف ہے۔ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ارادہ تکوینیہ ۲۔ارادہ تشریعیہ

۱۔ارادہ تکوینیہ سے مراد وہ مشیت ہے جو تمام موجودات کو شامل اور عام ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند ہو یا ناپسند ہو۔جیسا کہ قرآن پاک کی آیت ہے فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَاءِ (۳)

۲۔ارادہ شرعیہ:۔اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب اور پسندیدہ ہو جیسا کہ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ. (۴) کتاب کے اندر مذکورہ صفت ارادہ دونوں قسموں کو شامل ہے۔

---

(۱) البروج آیت ۱۶ (۲) الحج ۱۸

(۳) الانعام ۱۲۵ (۴) البقرہ ۱۸۵

اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے عقل سے بالاتر ہے

عقیدۃ: ۸"لَاتَبْلُغُهُ الْاَوْهَامُ وَلَاتُدْرِكُهُ الْاَفْهَامُ."

ترجمہ: "خیالات اُس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے۔

تشریح:۔اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتے ہم تو اللہ تعالیٰ کو اُسکی صفات کے ذریعے پہچان سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت ہمیں صرف اُس کی صفات ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ کسی نے اُس کو جنا ہے اور نہ اُس نے کوئی جنا ہے۔انسان کا وہم گمان اور خیال وعقل وغیرہ باری تعالیٰ کے ادراک سے قاصر اور عاجز ہیں کیونکہ اُن کی رسائی تو صرف اجسام اور محسوسات مادیہ ہی تک مقصود ہے انسان کی بہت ساری چیزوں کا ادراک اپنے حواس ظاہری اور باطنی کے ذریعے کرتا ہے لیکن حواس کا یہ ادراک ایک مقام پر چل کر رک جاتا ہے پھر اس کے بعد عقل سے کام لیتا ہے مگر بہت سی چیزیں عقل کی پرواز سے بھی بالاتر ہیں ۔ یہی حال ذات باری تعالیٰ کا ہے۔ کہ وہ وراء الوراء ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَايُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا. (۱) اور اُن کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم
وزچہ ہرچہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم
دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر
وما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

مخلوق کے ساتھ اُسکی کوئی مشابہت نہیں۔

عقیدۃ:۹ وَلَايُشْبِهُهُ الْاَنَامُ."

ترجمہ: "مخلوق کے ساتھ اُس کی کوئی مشابہت نہیں۔"

---

(۱) طٰہٰ ۱۱۰

تشریح:۔اس سے پہلے ایک عقیدہ گزرا ہے لَاشَیءٍ مِثْلُہٗ . یہ عقیدہ اُسکی مزید تشریح ہے۔یہ عقیدہ اس آیت کی ترجمانی کرتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیءٍ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (۱) کوئی شی اُس کے مشابہ نہیں جس کے ساتھ اُس کو تشبیہ دی جاسکے۔مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصود فرقہ مشبہ کی تردید ہے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کیلئے بندوں جیسا اعضاء وجوارح ثابت کرتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنے اسماء،صفات اور افعال میں مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کی تشبیہ مخلوق کے ساتھ دے دی تو یہ کافر ہے۔ملاعلی القاریؒ فرماتے ہیں وصفاته كلها خلاف صفات المخلوقين يَعْلَمُ لَا كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرىٰ لَا كَرُؤْيَتِنَا.

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے جدا ہیں وہ علم رکھتا ہے لیکن اُس کا علم ہمارے علم کے مشابہ نہیں اور وہ قدرت رکھتا ہے لیکن اُس کی قدرت ہماری قدرت کے مشابہ نہیں اور وہ دیکھتا ہے لیکن اُس کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی مشابہ نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلیٰ: یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات پر بندوں کو قیاس کرنا غلط ہے۔

نہ اللہ تعالیٰ پر موت آتا ہے اور نہ نیند

عقیدۃ:۱۰ "حَیٌّ لَایَمُوْتُ قَیَّامٌ لَایَنَامُ."

ترجمہ:"وہ زندہ ہے اُس کو موت نہیں وہ خود قائم ہے اور تمام عالم کو سنبھالنے والا ہے وہ سوتا نہیں۔

تشریح:۔اللہ تعالیٰ کی حیات ابدی ہے کبھی موت کے ذریعے ختم نہ ہوگی ہمیشہ زندہ رہے گا اُس ذات پر نیند اور اونگھ کی غفلت طاری نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ خود قائم ہے اور تمام عالم کو سنبھالے ہوئے ہیں۔اس اہم اور ضروری عقیدے کا تذکرہ جگہ جگہ قرآن اور حدیث کے اندر مذکور ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَاتَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَانَوْمٌ. (۲)

---

(۱) الشوریٰ ۱۱ (۲) البقرہ، ۲۵۵

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ وہ معبود برحق ہے کہ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ ہے ہمیشہ سے قائم ہے اُسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

حدیث پاک میں وارد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَایَنَامُ وَلَایَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَنَامَ. (۱) نہ اللہ تعالیٰ کو نیند آتی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کیلئے نیند مناسب ہے۔

حیّ القیوم اللہ تعالیٰ کی اسماء صفتیہ ہیں۔ تین سورتوں کے اندر یہ مذکور ہیں بعض اہل علم کے نزدیک یہی اسم اعظم ہے۔ ایک جگہ یہ آیت الکرسی میں مذکور ہیں جس کو اعظم آیۃ فی القرآن کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق بھی ہے اور رازق بھی

عقیدۃ: ۱۱ "خَالِقٌ بِلَاحَاجَۃٍ وَرَازِقٌ بِلَامُؤْنَۃٍ."

ترجمہ:۔ وہ سب کائنات کا خالق ہے۔ حالانکہ اُسے اس کی کوئی حاجت نہیں وہ سب کا رازق ہے اسے اس میں کوئی مشقت نہیں۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں اللہ تعالیٰ کے دو صفات کا بیان ہے۔ صفت خالقیت اور صفت رازقیت۔ قرآن اور حدیث میں جگہ جگہ دونوں صفات کا بیان موجود ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ. (۲) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا وکیل اور کارساز ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ. (۳) بے شک اللہ تعالیٰ رزق دینے والا اور طاقتور ذات ہے۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق اور رازق ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اسکی کوئی حاجت نہیں۔ دنیا میں انسان ایک کام کرتا ہے وہ کام اُس کا ذاتی ضرورت بھی ہوتا ہے مثلاً انسان ایک گھر بناتا ہے ایک چادر بناتا ہے تو اس کو بنانے والا خود بھی محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس مخلوقات کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ البتہ مخلوق قدم قدم پر ذات باری تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ

---

(۱) رواہ مسلم وابن ماجہ (۲) زمر ۶۲

(۳) الذاریات، ۵۸

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ. (۱) تم اللہ تعالیٰ کو محتاج ہو جبکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ذات ہے۔

مخلوق کو ختم کر کے دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔

عقیدہ: ۱۲ "مُمِيْتٌ بِلَامَخَافَةٍ بَاعِثٌ بِلَامَشَقَّةٍ."

ترجمہ:۔ وہ سب کو بلا کسی خوف وخطر کے موت دینے والا ہے اور سب کو بلا کسی مشقت کے (بروز قیامت) دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔

تشریح:۔ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کمال قدرت رکھتا ہے تو یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ کسی کو زندہ کرنے اور موت دینے سے نہیں ڈرتا کیونکہ خوف کا منشأ عجز اور ضعف ہے اور اللہ تعالیٰ کامل قدرت کے مالک ہونے کے ساتھ ہر طرح کے عجز اور ضعف سے پاک ہے۔ دنیا کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات کسی کو سزا دینا چاہتا ہے لیکن ردعمل کا ڈر ہوتا ہے کہ ملک میں شورش برپا نہ ہو جائے تو ملک میں شورش برپا ہونے کی ڈر سے اُس مجرم پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند وبالا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا (۲) ترجمہ: اور اُس کو اُن کے بدلہ لینے کا کوئی ڈر نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کیلئے پہلی مرتبہ پیدا کرنا آسان تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ کیلئے دوبارہ پیدا کرنا بھی آسان ہے۔ جس نے تمام کائنات کو بغیر کسی نمونہ کے اپنے امر کُن کے ذریعے پیدا فرمایا تو اُس کیلئے دوبارہ جمع کرنا اور پیدا کرنا کیا مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ (۳) ترجمہ: بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے کیوں نہیں وہ تو بڑا پیدا کرنے والا ہے اور علم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ. (۴) ترجمہ: اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں

---

(۱) فاطر ۱۵ (۲) الشمس، ۵۰ (۳) یٰسٓ ۸۱ (۴) الحج ۷

ہیں۔دوسری جگہ فرمایاوَذَالِكَ عَلَى اللهِ يَسِيْرٌ .(۱) یعنی یہ عمل اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایاأَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَىٰ قَادِرِيْنَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ۔(۲) ترجمہ: کیاانسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اُسکی ہڈیاں جمع نہ کرسکیں گے ہم اُسکی انگلیوں کے پورے برابر کرنے پر بھی قادر ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا

عقیدۃ:۱۳ "مَازَالَ بِصِفَاتِهِ قَدِيْمًا قَبْلَ خَلْقِهِ لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَاتِهِ وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهِ أَزَلِيًّا كَذَالِكَ لَايَزَالُ عَلَيْهَا أَبَدِيًّا."

ترجمہ: وہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمیشہ سے اپنی تمام تر صفات کے ساتھ قدیم ہے،مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے کسی وصف میں اضافہ نہیں ہوا،وہ جملہ صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اوراسی طرح ہمیشہ تمام صفات کے ساتھ متصف رہیں گے۔"

تشریح:۔اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اپنے صفات کمال سے متصف ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام صفات ذاتی اور فعلی کے ساتھ قدیم ہیں۔کائنات کے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کو یہ صفات حاصل نہیں ہوئیں بلکہ کائنات کی پیدائش سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ کو یہ صفات حاصل تھیں۔کائنات کے پیدا کرنے سے نہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں اضافہ ہوا اگر یہ کائنات نہ بھی پیدا کرتے تو اللہ تعالیٰ ان ہی صفات کے حامل تھے اور ابدالآباد تک اللہ تعالیٰ ان ہی صفات سے متصف رہیں گے۔

درحقیقت اس عقیدے کی توضیح سے معتزلہ اور جہمیہ کی تردید مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صفت کلام بعد میں ملی ہے۔اللہ تعالیٰ پہلے سے اس صفت پر متصف نہیں تھے۔اسی طرح معتزلہ کے

---

(۱) التغابن ۷ (۲) القیمۃ ۳،۴

نزدیک اللہ تعالیٰ کا صفت ارادہ حادث ہے تو یہاں معتزلہ کی تردید ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہے۔

عقیدۃ: ۱۴ "لَیْسَ مُنْذُ خَلَقَ الْخَلْقَ اِسْتَفَادَ اِسْمَ "الْخَالِقِ" وَلاَ بِحُدَاثِهِ الْبَرِیَّةِ اِسْمَ "الْبَارِئِ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اپنے لئے خالق کا نام وضع نہیں کیا اور نہ ہی بریہ (مخلوق) کو معرض وجود میں لاکر "باری" کا نام اختیار کیا۔"

تشریح:۔ یہ اس سے پہلے عقیدہ کی مزید وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے ان تمام صفات سے متصف ہے۔ جب مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا تو اس سے پہلے بھی باری تعالیٰ ان صفات سے متصف تھے اور ان کے پیدا کرنے کے بعد بھی ان صفات سے متصف ہیں۔ قرآن کریم میں صفات باری تعالیٰ کو ماضی کے صیغے سے بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان صفات کو اپنی ذات کی طرف بہ صیغہ ماضی مطلق منسوب کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا. (۱) کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطًا. (۲) وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا. (۳) اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صفات باری تعالیٰ کیلئے ازل ہی سے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

عقیدۃ: ۱۵ "لَهُ مَعْنَی الرُّبُوْبِیَّةِ وَلاَ مَرْبُوْبَ وَمَعْنَی الْخَالِقِ وَلاَ مَخْلُوْقَ لَهُ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ بغیر کسی مربوب (پالنے والے) کے بھی "رب" ہے، وہ کسی چیز کو پیدا کرنے کے بغیر بھی "خالق" ہے۔"

---

(۱) الحجرات ۲۶ (۲) النسآء ۱۲۶ (۳) النسآء ۱۳۴

تشریح:۔ یہ بھی ذکر شدہ عقیدے کی مزید تشریح بیان ہورہی ہے فرمایا کہ مربوب اور مخلوق کے وجود سے پہلے بھی وہ رب اور خالق ہونے کے ساتھ موصوف تھے۔ یعنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ صفت خالقیت سے متصف تھے اسی طرح مربوب کے پائے جانے سے پہلے ہی صفت ربوبیت کے ساتھ متصف ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے ربوبیت اور خالقیت کے بجائے معنی الربوبیۃ اور معنی الخالق اس لیے کہا کہ خالق اُس کو کہتے ہیں جو شی کو عدم سے نکال کر وجود میں لائے نیز خلق بمعنی تقدیر بھی آتا ہے اسی طرح رب کے کئی معنی آتے ہیں۔ لہٰذا اس اشکال سے بچنے کیلئے مصنف نے مناسب الفاظ سے تعبیر کرلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء اور صفت خالقیت دائمی ہے

عقیدۃ: ۱۶ "وَكَمَا اَنَّهٗ مُحْيِ الْمَوْتٰى بَعْدَمَا اَحْيَاء اِسْتَحَقَّ هٰذَا الْاِسْمَ قَبْلَ اِحْيَائِهِمْ كَذَالِكَ اِسْتَحَقَّ اِسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ اِنْشَائِهِمْ."

ترجمہ: "جیسے وہ مردوں کو زندہ کرنے کے بعد محی (زندہ کرنے والا) کہلاتا ہے۔ یعنی وہ زندہ کرنے سے پہلے بھی اس نام کا مستحق ہے۔ اسی طرح وہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی خالق کے نام کا استحقاق رکھتا ہے۔"

تشریح:۔ جس طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی وجہ سے محی کہلاتے ہیں اس طرح آج بھی اللہ تعالیٰ کیلئے یہی صفت حاصل ہے بالکل اسی طرح مخلوق کے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ خالق کہلاتے ہیں لیکن مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ خالق ہی تھے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کی قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہے اور تردید ہے اُن لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ کے صفات کو حادث کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے محتاج نہیں۔

عقیدۃ: ۱۷ "وَذَالِكَ بِاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَكُلُّ شَيْءٍ اِلَيْهِ فَقِيْرٌ وَكُلُّ اَمْرٍ عَلَيْهِ

یَسِیْرٌ لَا یَحْتَاجُ اِلٰی شَیْءٍ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔"

ترجمہ: "اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے ہر کام اس کیلئے آسان ہے، وہ کسی شیء کا محتاج نہیں اس کی کوئی مثال نہیں وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

تشریح:۔اس عبارت سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصود صفات باری تعالیٰ کو ازلی ثابت کرنا ہے اور فرق باطلہ کی تردید مقصود ہے واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر میں معتزلہ کی تردید ہے کہ وہ بندے کو خالق افعال کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ افعال عباد کی تخلیق پر قادر نہیں ہے اُن کے اس باطل عقیدے سے صفت قدرت کے کمال سے انکار لازم آتا ہے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس عموم میں ہر ممکن شامل ہے۔ یہاں سوال وارد ہے کہ کہ کیا اللہ تعالیٰ محال پر قدرت رکھتا ہے مثلاً اجتماع النقیضین اور ارتفاع النقیضین وغیرہ جواب یہ ہے کہ یہ سوال بے بنیاد ہے کیونکہ محال کا نہ وجود ہے اور نہ یہ شی میں داخل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے مثل کو پیدا کرنا اور خود کو فنا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ بے بنیاد سوالات ہیں کیونکہ یہ محال ہیں محال کا نہ وجود ہوتا ہے اور نہ یہ شی میں داخل ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قدرت کا تعلق ممکنات سے ہوتا ہے محالات اور ممتنعات سے نہیں ہوتا لہذا اگر باری تعالیٰ محالات پر قادر نہ ہو تو اس سے قدرت باری تعالیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہاں پر مقدور میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے قدرت کو ناقص اُس وقت کہا جاسکتا ہے کہ مقدور میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہو مگر فاعل اپنی کمزوری کی وجہ سے اثر نہ کرسکتا ہو یہی حال ممکنات کی ہے کہ وہ قدرت کے اثر کو قبول کرتی ہیں محالات اور ممتنعات اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد نہیں رکھتے لہذا اس عبارت سے مصنف رحمہ اللہ نے معتزلہ کی تردید کردی۔

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ سے مشبہ کی تردید مقصود ہے کہ مخلوق کی صفات کو خالق کیلئے ثابت کرتے ہیں۔ کہ ذات حق جمیع صفات کمال حق کے ساتھ موصوف ہے اور کوئی مخلوق ان صفات میں اُس کے مشابہ نہیں ہے۔ انسان کیلئے بھی صفت سمع اور صفت بصر شامل ہے لیکن اس سے تشبیہ لازم نہیں آتی کیونکہ مخلوق کی صفات مخلوق کی شان کے مطابق اور خالق کی صفات خالق کی شان کے مطابق ہے

دونوں میں کوئی تشبیہ وتمثیل نہیں کہ ذات باری تعالیٰ کے مشابہ قرار دیا جائے لِلَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى . (۱) دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (۲) ان آیات سے یہ ثابت معلوم ہورہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان کوئی تشبیہ نہیں ہے۔

تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کو علم حاصل ہے

عقیدۃ: ۱۸ "خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهٖ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنے علم سے پیدا کیا۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں مذکورہ خَلَقَ بمعنی اَوْجَدَ وانشاء وابدع ہے۔ خلق مصدر ہے بمعنی مخلوق۔ بِعِلْمِهٖ حال ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے تقدیری عبارت یوں ہے خَلَقَهُمْ عَالِمًا بِهِمْ ۔یعنی مخلوق کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ ان کا علم رکھتا تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنے علم سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے وہ اپنے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ ان کے کیا حوائج اور ضروریات ہیں۔ ان کے مادہ تخلق ، مدت حیات اور انجام تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ کو مکمل علم تخلیق سے پہلے حاصل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا جاھل ہونا لازم آئے گا وَتَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا.

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے اندازہ مقرر کیا۔

عقیدۃ: ۱۹ "وَقَدَّرَ لَهُمْ اَقْدَارًا."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیریں مقرر ومعین کردیں۔"

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرما کر اُس کا اندازہ مقرر کیا۔ مدت عمر، رزق، عزت، ذلت، فنا

---

(۱) النحل ۶۰ (۲) الروم ۲۷

اور زوال، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر ایک کیلئے ایک اندازہ اور مقدار متعین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۱) اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ. (۲) ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا. (۳) اور اللہ تعالیٰ کا حکم تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔ جس چیز کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ مقرر کیا ہے اُس اندازے کے مطابق دنیا میں آئے گا اور اسی اندازے کے مطابق استعمال ہو کر دنیا سے ختم ہو کر جائے گا۔ اور یہی اندازہ زمین اور آسمان کے پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لگایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدر اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنة وکان عرشه علی الماء (۴) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیر لکھدی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی ہی پر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیلئے اجل مقرر کیا ہے

عقیدة: ۲۰ "وَضَرَبَ لَهُمْ اٰجَالًا"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیلئے اجل (یعنی آخری وقت) مقرر کر دیا۔"

تشریح: آجال جمع ہے اجل کی۔ اس کے معنی ہیں کسی شی کی عمر کی مدت۔ یعنی مخلوق میں سے ہر چیز کیلئے فناء ہونے کا ایک وقت مقرر کیا ہے اُس مقررہ وقت پر وہ چیز فناء ہو کر رہے گا مقررہ وقت کے آنے کے بعد اس چیز کا دنیا میں رہنا ناممکن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (۵) ہر حکم (قضاء) کتاب میں مرقوم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ. (۶) ترجمہ: اور ایک مدت اُس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو۔ فَاِذَا جَآءَ

---

(۱) الفرقان، ۲ (۲) القمر: ۴۹ (۳) الاحزاب، ۳۸

(۴) رواہ مسلم (۵) الرعد، ۳۸ (۶) الانعام، ۲

اَجَلُهُمْ لَایَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَایَسْتَقْدِمُوْنَ. (۱) جس وقت اُن کی میعاد آجائے گی اُس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے خبیر بھی ہے

عقیدۃ: ۲۱ "وَلَمْ یَخْفَ عَلَیْهِ شَیْءٌ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَهُمْ وَعَلِمَ مَاهُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَهُمْ."

ترجمہ: "مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں تھی اور لوگوں کو پیدا کرنے سے پہلے جانتا تھا کہ لوگ اپنی زندگی میں کیا کچھ عمل کریں گے۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں روافض اور قدریہ کی تردید مقصود ہے اُن کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اُن کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ تو مصنف رحمہ اللہ نے اس عقیدہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اُن کے ہر عمل سے واقف ہیں۔ اسی طرح اُن کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ دنیا میں آنے کے بعد کس قسم کے عمل کریں گے کون کیا اور کیسے عمل کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ما کان اور ما یکون کا مکمل علم حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَاتَعْمَلُوْنَ. (۲) یہاں پر ما مصدریہ ہے یعنی وَاللّٰهُ خَلْقَكُمْ وعملكم. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ. (۳) زمین اور آسمان کا کوئی گوشہ اُس پر مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا

عقیدۃ: "۲۲ وَاَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِیَتِهٖ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی طاعات کا حکم دیا، اور اپنی نافرمانی سے منع فرمایا۔"

---

(۱) الاعراف، ۳۴۔ (۲) الصّٰفّٰت ۹۶ (۳) ابراھیم ۳۸

تشریح:۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (۱) میں نے انسان اور جنات کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا. (۲) اللہ تعالیٰ نے موت اور حیاۃ کو پیدا کیا تا کہ تم پر امتحان کرے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے۔ اس عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بے کار اور فضول پیدا نہیں کیا بلکہ اُن کو احکام کا مکلّف بنایا بعض کاموں کا حکم دیا اور بعض کاموں سے منع فرمایا اسی کا نام عبادت ہے اور یہی انسان کا مقصد حیات ہے۔ جسکے لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دنیا میں پیدا کیا۔

تقدیر اور مشیت الٰہی کا بیان

عقیدہ ۲۳: ''وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِىْ بِتَقْدِيْرِهٖ ،وَمَشِيَّتِهٖ ،وَمَشِيَّتُهٗ تَنْفُذُ .لَا مَشِيَّةَ لِلْعِبَادِ، اِلَّا مَا شَآءَ لَهُمْ ،فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ ،وَمَالَمْ يَشَأْلَمْ يَكُنْ.''

ترجمہ: ''کائنات کی ہر چیز اس کی تقدیر اور مشیت کے مطابق چلتی ہے۔ اس جہاں میں اسی کی مشیت نافذ العمل ہے۔ بندوں کی کوئی مشیت نہیں مگر جو ان کے لئے اللہ نے چاہا۔ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔''

تشریح:۔ اس عقیدے میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے جملہ امور کو اپنے نظام قدرت سے وابستہ کیا ہے۔ اس کائنات میں وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا جو اللہ تعالیٰ نہیں چاہے گا وہ بالکل نہیں ہوگا۔ فرمانِ الٰہی ہے۔ وَمَا تَشَاۗؤُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (۳) اور تم نہیں چاہو گے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ. (۴) اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں خوشی، غمی، نفع و نقصان، مصیبت و راحت، عزت و ذلت، فقر و غنا، موت

---

(۱) الذّٰریٰت ۵۶ (۲) الملک ۲ (۳) الدھر ۳۰ (۴) ابراھیم ۲۷

وحیات وغیرہ جو بھی حالات آتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے تحت ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کا ایمان اور کافر کا کفر وغیرہ مخلوق کے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کے تحت ہیں تو کافر کا کفر اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے البتہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں بلکہ ناراض ہے۔ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ. (۱) اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کفر سے راضی نہیں۔

جسے اللہ تعالیٰ چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کردے۔

عقیدۃ: ۲٫٤ "يَهْدِيْ مَنْ يَشَآءُ وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلاً وَيُضِلُّ مَنْ يَشَآءُ وَيَخْذِلُ وَيَبْتَلِيْ عَدْلاً."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی بنیاد پر جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے حفاظت فرماتا ہے اور عافیت دیتا ہے اور عدل وانصاف کی بنیاد پر جسے چاہتا ہے گمراہ، رسوا اور آزمائش میں مبتلاء کردیتا ہے۔"

تشریح:۔ کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے پیوست ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کائنات میں کسی کو ہدایت دے کسی کی گناہوں سے حفاظت فرمادے یا عافیت کا معاملہ فرمائے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور اگر کسی کو گمراہ کردے یا مصیبت میں گرفتار کردے تو یہ اُس کے عدل کا تقاضا ہے۔ اس عقیدے میں معتزلہ کی تردید مقصود ہے اُن کا کہنا ہے کہ اصلح للعباد اللہ تعالیٰ پر لازم ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ بندوں کا کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں۔ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنوں کی نصرت اللہ تعالیٰ پر لازم ہے تو جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے تفضلاً اور احساناً خود پر لازم کردی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ اس کو وجوب تفضلی کہتے ہیں۔

---

(۱) الزمر ۷ (۲) الروم ۴۷

تمام لوگ مشیت الٰہی کے تابع ہیں۔

عقیدۃ: ۲۵ "وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِيْ مَشِيَّتِهٖ بَيْنَ فَضْلِهٖ وَعَدْلِهٖ.

ترجمہ: "تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت اس کے فضل وکرم اور عدل وانصاف کے مابین زندگی کے مختلف مسائل سے دوچار رہتے ہیں۔"

تشریح:۔ یہ عقیدہ تقدیر کا بیان ہے لیکن مصنف رحمہ اللہ نے ایک جگہ پورا عقیدہ نہیں بیان کیا ہے بلکہ مختلف جگہوں میں تھوڑا تھوڑا بیان کیا ہے۔ یہاں فرماتے ہیں کہ تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ جاری ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت ضروری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے عبادت کے بدلے جنت دینا ضروری اور لازمی نہیں جب یہ بندے کا استحقاق نہیں ہے تو بندوں کی عبادت سے راضی ہوکر اگر بندوں کو اجر وثواب دے تو یہ اُس کا فضل ہے کہ بلا استحقاق یہ انعام حاصل ہوگیا ۔اسی طرح برے اعمال والے کو سزا نہ دینا اور معاف کرنا اُس کا فضل واحسان ہے اور اگر بقدر جنایت سزا دے تو یہ اُس کا عدل ہے۔ فضل کے معنی بغیر استحقاق کے دینے کے ہیں اور عدل کے معنی مساوات کے ہیں جس میں نہ کمی ہو اور نہ زیادتی۔ بندے پر مصائب اور مسائل کا آنا عدل ہے اور فیضان نعمت خواہ کسی شکل میں ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ کائنات کا سارا نظام فضل وعدل کے درمیان جاری ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اجر وثواب دس گنا بڑھا دیتے ہیں اور گناہ تو کبھی معاف کر دیتے ہیں ورنہ بقدر جنایت سزا دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. (۱) جو کوئی نیکی کرے تو اُس کیلئے دس گنا اجر ہے اور جو کوئی برائی کرے تو اُس کو بقدر جنایت سزا ملتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

---

(۱) الانعام، ۱۶۰

نہ اللہ تعالیٰ کا شریک ہے اور نہ مقابل

عقیدۃ: ۲۶ "هُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْاَضْدَادِ وَالْاَنْدَادِ."

ترجمہ: "اللہ ہمسروں اور شرکاء سے بلند تر ہے۔"

تشریح:۔ اضداد جمع ہے ضد کی بمعنی معارض اور مقابل۔ انداد جمع ہے ند کی بمعنی مثل اور شریک۔ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی ضد اور مقابل ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا شریک اور مقابل ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت صحیح اور مکمل طور پر نہیں چل سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (۱) یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی شریک نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

عقیدۃ: ۲۷ "لَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ، وَلَا غَالِبَ لِاَمْرِهٖ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس کے حکم کو کوئی ہٹا نہیں سکتا، اور اس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔"

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سب پر غالب ہے۔ سب اس کے سامنے عاجز اور بے بس ہیں۔ اس عقیدے میں اِس آیت کی طرف اشارہ ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ. (۲) اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کوئی تکلیف تو اُس کو نہیں ہٹا سکتا اور اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اُس کو ٹال نہیں سکتا۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ. (۳) اللہ تعالیٰ جو اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے تو کوئی اُس کو بند کرنے والا نہیں اور جو بند کردے تو کوئی اُس کو کھولنے والا نہیں۔ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ. (۴) اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے تو اُس کے فیصلے کا کوئی تعاقب نہیں کرسکتا۔

---

(۱) البقرہ ۲۲ (۲) یونس ۱۰۷ (۳) الفاطر ۲ (۴) الرعد ۴۱

ہر چیز منجانب اللہ ہے۔

عقیدۃ: ۲۸ "اٰمَنَّا بِذَالِكَ كُلِّهٖ، وَاَيْقَنَّا اَنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهٖ."

ترجمہ: "ہم ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا یقین کامل ہے کہ ہر چیز منجانب اللہ ہوتی ہے۔"

تشریح: اس عقیدے میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ (۱) کہہ دو کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اہل ایمان پر واجب ہے کہ شریعت میں عقائد سے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں جب ایک مسلمان کے سامنے عقائد حقہ دلائل کی روشنی میں آجائیں تو بلا چوں و چرا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اور ان کو من جانب اللہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے آخر میں فرمایا کہ ہم ان تمام عقائد حقہ کو دل سے تسلیم کرتے ہیں اور ان پر ہمارا کامل ایمان اور یقین ہے۔

رسالت کا بیان

عقیدۃ: ۲۹ "وَاِنَّ مُحَمَّدًا (ﷺ) عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى، وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبٰى، وَرَسُوْلُهُ الْمُرْتَضٰى."

ترجمہ: "اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور اس کے منتخب نبی اور پسندیدہ رسول ہیں۔"

تشریح: ابھی تک توحید کا بیان چل رہا تھا اب توحید کے بعد رسالت کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ توحید رسالت کے بغیر نجات کیلئے ناکافی ہے۔ یہ لفظ اِن بکسر الھمزہ ہے ان اللہ واحدٌ پر عطف ہے۔ جو نقول کیلئے مفعول ہے۔ عقیدہ رسالت کے اندر کئی باتوں کا بیان ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور برگزیدہ اور منتخب کردہ بندے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے محمد کا

---

(۱) النساء، ۷۸

نام اسم محضہ ہے۔اس کے علاوہ باقیماندہ نام اسماء صفتیہ ہیں۔اسی طرح احمد بھی آپ کا نام اسم محضہ ہے۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِهِ اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (۱) ''محمد'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے اشہر الاسماء ہے اور اسی نام کے ساتھ صراحۃً آپ کو تورات میں یاد کیا گیا ہے البتہ حافظ سہیلی فرماتے ہیں کہ تورات میں جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد ہے۔قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بے نظیر تھی بالکل اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اسماء بھی بے مثل اور بے نظیر ہیں۔ساری دنیا میں میناروں اور منبروں پر'' اشهد ان لا اِلـه الا الله '' کے ساتھ اشهد ان محمدًا رسول الله پکارا جاتا ہے اور دنیا میں کوئی سمجھدار انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بغیر تعظیم کے نہیں لیتا اگر چہ وہ غیر مسلم ہو یہ خداوند قدوس کے اس ارشاد ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' کی واضح ثبوت ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبد ہیں۔یہ صفت اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اس کو صفت رسالت سے مقدم کیا گیا ہے۔وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه ' کیونکہ انسان میں عبدیت ہی سے کمال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس ہی کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔قرب ومحبت کی منازل میں اگر چہ رسالت اور نبوت سب سے اعلیٰ ہے مگر عبد کا چونکہ اصل موضوع ہی عبدیت ہے اس لیے عبدیت کو رسالت پر مقدم فرمایا چنانچہ قرآن کریم میں مختلف خصوصی اعزاز واکرام کے مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سے صفات کمال میں سے صفت عبدیت کو اختیار کر کے آپ کا ذکر خیر اضافت تشریفی کے طور پر ''عبدہ'' سے فرمایا ہے جس سے ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔مصطفیٰ ،مجتبیٰ اور مرتضیٰ سب قریب المعنی الفاظ ہیں ۔ان سب الفاظ کو جمع کر کے مصنف اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت ورسالت کیلئے انتخاب اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ نبوت اور رسالت کو انسان اپنے اختیار سے حاصل نہیں کرسکتا یہ انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے یہ محض عطیہ خداوندی ہے جس

---

(۱) الصف ۶

ھستی کو اللہ تعالیٰ منتخب فرمالے وہی منتخب ہو جاتا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت کا بیان

عقیدۃ: ۳۰ "وَاِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ ، وَاِمَامُ الْاَتْقِيَاءِ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ ، وَحَبِيْبُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ."

ترجمہ: "آپ علیہ السلام خاتم الانبیاء، امام الاتقیاء اور سید المرسلین اور پروردگار عالم کے محبوب ہیں۔"

تشریح:۔ اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ کے ختم نبوت کا بیان ہے ختم نبوت کا عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔ اس کا انکار کفر ہے کیونکہ ختم نبوت خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ . (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور انبیاء کے خاتم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جاری یہ سلسلہ نبوت آپ کی ذات اقدس پر مکمل کر دیا گیا۔ آپ کی نبوت و شریعت رہتی دنیا تک کیلئے کامل اور مکمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی یا نئے دین کی ضرورت نہیں پڑے گی البتہ انسانوں کی دینی کمزوری دور کرنے کیلئے علماء امت اور مجددین ملت سے کام لیا جائے گا۔ لفظ خاتم میں دو قراءتیں ہیں۔ امام حسن اور امام عاصم کی قراءت خاتم بفتح التاء جبکہ دیگر ائمہ قراءت خاتم بکسر التاء پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے یعنی انبیاء کرام کو ختم کرنے والا۔ کیونکہ خاتم بکسر التاء ہو یا بفتح التاء دونوں کے معنی آخر کے بھی آتے ہیں اور مہر کے معنی بھی آتے ہیں جبکہ مہر کسی چیز پر بند کرنے کیلئے آخر میں لگائی جاتی ہے۔ امام راغب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں وخاتم النبوۃ ای تممها بمجیئه. یعنی آپؐ نے نبوت کو اپنے تشریف لانے سے

---

(۱) الاحزاب ۴۵

ختم اور مکمل کر دیا صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالات نبوت اور رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے اور انتہاء پر پہنچ کر اسکی تکمیل ہوتی ہے اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصود ہوتا ہے۔ جسکی طرف قرآن کریم کی آیت میں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ میں اشارہ مقصود ہے۔ (۱)

اس طرح عقیدہ ختم نبوت حدیث سے ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لانبی بعدی. (۲) عنقریب میرے بعد میری امت میں تیس جھوٹے نبی پیدا ہوں گے ہر ایک نبوت کا دعویدار ہوگا حالانکہ میں خاتم الانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس طرح دیگر کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الاتقیاء ہیں۔ اتقیاء جمع ہے تقی کی۔ بمعنی متقی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام متقین کے امام ہیں۔ پوری امت کا تقویٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویٰ اور خشیت کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ میں آپ میں سے سب سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ امت میں سے جو چاہے کہ میں متقی بنوں اُس پر اتباع سنت لازم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس لیے ہوئی کہ بندگان خدا آپ کی اقتداء کریں۔ لیلۃ الاسراء میں آپ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی اور ہر نبی متقی ہوتا ہے کیونکہ تقویٰ نبوت کے آثار میں سے ہیں اس لیے جس طرح آپ امام الانبیاء ہیں اس طرح آپ امام الاتقیاء بھی ہیں۔

قولہ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ الخ۔ جب آپ خاتم النبیین اور امام الاتقیاء ہیں تو اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ آپ ہی سید المرسلین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَوَّلُ من ینشق عنه القبر واول شافعٍ واول مشفّع ۔ (۳)

---

(۱) معارف القرآن ۷/۱۶۱ (۲) مسلم (۳) مسلم

میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں پہلے وہ شخص ہوں گا جسکی قبر پھٹے گی اور پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔

قولہ وَحَبِیْبُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حبیب بمعنی محبوب یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب اور محبوب ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلیل ہونے کے علاوہ محبوب بھی ہیں۔ یعنی آپ خلیل اللہ بھی ہیں اور حبیب اللہ بھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ اِتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا کَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلاً . (۱) ایک جگہ فرمایا وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلاً وَلٰکِنْ صَاحِبُکُمْ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ. (۲) اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ضرور ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحب رحمٰن کا خلیل ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''خلت'' حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور محبت سب کیلئے عام ہے۔

آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ گمراہی ہے

عقیدۃ: ۳۱ ''فَکُلُّ دَعْوَی النُّبُوَّۃِ بَعْدَہٗ فَغَیٌّ وَھَوًی.''

ترجمہ: ''آپ علیہ السلام کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور خواہش پرستی ہے۔''

تشریح:۔ غی بمعنی گمراہی یہ ضد ہے رشد و ہدایت کی۔ ھوی بمعنی خواہش نفسانی۔ سابقہ تفصیل سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے خواہ یہ مدعی اپنی دعویٰ نبوت پر ہزار ہا دلائل پیش کرے تو پھر بھی یہ جھوٹا ہوگا اور اسکی یہ بات خواہش پرستی شمار ہوگی۔ ختم نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ ادیان حقہ منسوخ ہیں۔ اپنے وقت میں حق اور سچ تھیں لیکن اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ناسخ اور وہ منسوخ ہیں۔

---

(۱) مسلم (۲) ایضا

آپ ﷺ کی بعثت عمومی ہے

عقیدۃ: ۳۲ "وَهُوَ الْمَبْعُوْثُ اِلٰى عَامَّةِ الْجِنِّ وَ كَافَّةِ الْوَرٰى بِالْحَقِّ وَالْهُدٰى ، وَبِالنُّوْرِ وَالضِّيَآءِ."

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ تمام جنات، انسان اور پوری کائنات کی طرف حق وصداقت، رشد وہدایت اور نور ضیاء کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے ہیں۔"

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کرام خاص خطوں اور علاقوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے جاتے تھے یہ سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انس اور جن کیلئے مبعوث فرمایا تا کہ اُن کو جہنم سے ڈرائے اور جنت کی خوشخبری سنائے۔ اُن کو کتاب وسنت کے احکام سکھائیں اور اُن کے عقائد کو باطل خیالات واوہام سے پاک کر کے اُن کے اخلاق کو پاکیزہ بنائے۔ اور اُن کے اعمال میں اخلاص پیدا کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کیلئے نبی تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کیلئے بھی نبی تھے۔ آپ کا جنات کیلئے مبعوث ہونے کی دلیل یہ آیت ہے يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ. (۱) جنات نے کہا اے ہماری قوم اللہ تعالیٰ کے بلانے والے کو مانو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اسی طرح سورۃ جن بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے ساتھ ساتھ جنات کیلئے بھی نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (۲) اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تم کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ اس آیت میں كَآفَّةً لِّلنَّاسِ کے اندر انسان اور جنات دونوں شامل ہیں۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۳) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

---

(۱) الاحقاف، ۳۱ (۲) سبا، ۲۸ (۳) الاعراف ۱۵۸

قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عقيدة:٣٣" وَإِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ، مِنْهُ بَدَأَ بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلاً، وَأَنْزَلَهُ عَلَىٰ رَسُوْلِهِ وَحْيًا، وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَىٰ ذٰلِكَ حَقًّا، وَأَيْقَنُوْا أَنَّهُ كَلَامُ اللهِ بِالْحَقِيْقَةِ، لَيْسَ بِمَخْلُوْقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ، فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ، وَقَدْ ذَمَّهُ اللهُ وَعَابَهُ وَأَوْعَدَهُ بِسَقَرَ حَيْثُ قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿سَأُصْلِيْهِ سَقَرَ﴾فَلَمَّا أَوْعَدَ اللهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ: ﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾(المدثر:٢٥) عَلِمْنَا وَأَيْقَنَّا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ، وَلَا يُشْبِهُ قَوْلَ الْبَشَرِ."

ترجمہ:"بلاشبہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اس کی ذات سے بغیر کسی کیفیت کے یہ کلام ظاہر ہوا اور اس کو اپنے رسول ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل فرمایا، مؤمنین نے حق سمجھتے ہوئے اس کلام کی تصدیق کی اور انہوں نے اس بات کا یقین کیا کہ یہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہے، جس نے اسے سنا اور کہا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کی مذمت کی ہے اور اسکا عیب بیان کیا ہے، اور اسے جہنم کے عذاب سے ڈرایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"عنقریب اسے واصل جہنم کروں گا۔"(۱) اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے "یہ تو انسان کا کلام ہے" کہنے والے کو جہنم میں ڈالنے کی وعید سنائی ہے اس لئے ہم نے اس حقیقت کو جان لیا اور یقین کرلیا کہ یہ خالق بشر کا قول ہے اور یہ انسان کے کلام سے مشابہ نہیں ہے۔"

تشریح:۔ باری تعالیٰ کی جہاں دیگر صفات ہیں انہیں میں سے ایک صفت کلام ہے تو اللہ تعالیٰ متکلم ہے، مگر اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثال ہے ایسے اس کی جملہ صفات بے مثال ہیں، تو قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، جس پر ایمان لانا فرض ہے، اس کا انکار کفر

---

(۱) المدثر ۲۶

ہے بلکہ اس کے کسی ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ متکلم ہے، مگر اس کے تکلم فرمانے کی کیا کیفیت ہے؟ اس کا کیا طریقہ ہے اس سے ہم ناواقف ہیں، ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ یہ مخلوق کے کلام کی طرح نہیں ہے۔

جس طرح ہم منہ اور زبان سے تکلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کیفیت سے منزہ ہے، اس کو علامہ طحاوی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ''بَدَأَ مِنْهُ بِلَا كَيْفِيَّةٍ'' کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا ہے بلا کیفیت کے ''قولا'' لفظ سے معتزلہ پر رد ہے جو یوں کہتے ہیں کہ ''قرآن'' کا ظہور منجانب اللہ نہیں ہے، بلکہ قرآن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریفاً ہے جیسے ''بیت اللہ'' اور ''ناقة الله'' نیز ان سے یہ بھی منقول ہے کہ قرآن بطور تخیل حضرت جبرائیل کے قلب پر وارد ہوا پھر انہوں نے اس کو اپنی زبان سے تعبیر کیا ''منه بدا'' سے پہلے قول کی، قولا کہہ کر دوسرے قول کی تردید کردی گئی تاکہ کسی کو جرأت نہ ہو اس کو مجاز پر محمول کرنے کی، جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وَكَلَّمَ اللهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا اس سے صاف ظاہر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور متکلم ہونا مجازاً نہیں ہے بلکہ حقیقۃً ہے مگر اس کا کلام کیف سے منزہ ہے، اسی کو فرمایا ''بلا کیفیة'' لفظ ''قرآن'' مصدر ہے، کبھی اس سے قرآت مراد ہوتی ہے۔

قوله تعالیٰ ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (۱)

ترجمہ: ''اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔''

قوله عليه السلام: "زَيِّنُوا الْقُرْآنَ، أَيِ الْقِرَاءَةَ." (۲)

ترجمہ: ''ارشاد فرمایا کہ قرآن یعنی قرآت کو صحیح تلفظ کے ساتھ خوبصورت آواز میں پڑھو اور بسا اوقات قرآن بول کر ''مقروۃ'' پڑھی جانے والی کتاب مراد ہوتی ہے۔''

کقوله تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۳)

---

(۱) بنی اسرائیل، ۷۸ (۲) ابوداؤد (۳) الاعراف ۲۰۴

ترجمہ: ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

قرآن جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل ہوا

اَنْزَلَه عَلٰی رَسُوْلِه الخ:

اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی زبانی رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرشتہ سے سنا، اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔

قولہ تعالیٰ: ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾ (۱) ترجمہ: ''اور ہم نے قرآن کو جز جز کر کے نازل کیا تا کہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا۔''

قولہ تعالیٰ: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴾ (۲)

ترجمہ: ''اس کو امانت دار فرشتہ لیکر اترا ہے (یعنی اس نے) تمہارے دل پر القا کیا ہے تا کہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو اور القا بھی فصیح عربی زبان میں (کیا ہے)'' اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن آنحضرت ﷺ کے قلب پر براہ راست اتارا گیا، ان کا قول باطل ہے کیونکہ نصوصِ قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ یہ قرآن جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل ہوا ہے۔

وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ:

یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تکلم کرنا اور اپنے کلام کو بذریعہ جبرائیل رسول اللہ ﷺ پر نازل کرنا ایسا امر ہے کہ جو قرآن سے ثابت ہے لہٰذا اہل ایمان نے اس کی تصدیق کی اور اس کو حق مانا، ان کی یہ تصدیق حق ہے اور نفس الامر کے مطابق ہے یہی سلف صالحین، صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے یہی طریقہ برحق ہے، اس کے خلاف گمراہی اور ضلالت ہے۔

---

(۱) بنی اسرائیل ۱۰۶ (۲) الشعراء ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵

قرآن کو بشر کا کلام کہنے والا کافر ہے

قولہ: ﴿ وَمَنْ سَمِعَهُ وَقَالَ اِنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ ﴾

ترجمہ: ''جس نے قرآن کے بارے میں یہ قول اختیار کیا کہ یہ بشر کا کلام ہے وہ کافر ہوگیا، یعنی بلاشبہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ محمد ﷺ یا فرشتہ یا کسی مخلوق میں سے کسی اور کا کلام ہے یا کوئی قرآن کے کلام اللہ ہونے کا اقرار کرے اسکے بعد اس میں تحریف کرے یا جمہور امت سے ہٹ کر کوئی فاسد تاویل کرے تو وہ شخص کافر ہے۔''

ولایشبہ کلام البشر:

قران فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر فائز ہے، اس جیسا کلام کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے، قرآن اعجاز کے اعلیٰ مقام پر ہے، لہٰذا نزول قرآن کے زمانہ سے آج تک ساری دنیا اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔ لہٰذا اس کو کسی طرح کا انسانی کلام کے مشابہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ قولہ تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ (۱)

ترجمہ: ''اور خدا سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے۔''

وقولہ تعالیٰ: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ (۲)

ترجمہ: ''اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا اہل جنت کے ساتھ ہم کلامی

قولہ ﷺ: '' بینا اهل الجنة فی نعیمهم اذ سطع لهم نور فرفعوا ابصارهم ، فاذا الرب جل جلاله، قد اشرف علیهم من فوقهم، فقال السلام علیکم یا اهل الجنة، وهو قول الله تعالیٰ سلام قولا من رب رحیم، فلایلتفتون الی شئ مما هم فیه من

---

(۱) النساء ۸۷ (۲) الانعام ۱۱۵

النعيم، ماداموا ينظرون اليه حتى يحتجب عنهم ويبقى بركته ونوره." (۱)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس دوران کے اہل جنت اپنی نعمتوں اور راحت وسرور میں مگن ہونگے، اچانک ایک نور ظاہر ہوگا وہ نظر اٹھا کر اس طرح دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر نظر کرم فرمائیں گے اوپر کی جانب سے، اور کہیں گے، "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ" یہی تفسیر ہے ارشاد باری کی ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ رب کریم کی طرف سے سلام پیش ہوگا۔ اہل جنت دیدار الٰہی میں اس طرح محو ہونگے کہ اپنی تمام سابقہ نعمتوں کو بھول جائیں گے، یہاں تک حجاب کا پردہ دوبارہ حائل ہو جائے گا، اس دیدار کی برکت اور نور باقی رہ جائے گا۔" اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ثابت ہوا، اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام انسانی کلام کے ساتھ کسی طرح مشابہت نہیں رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ:

صفتِ کلام کے متعلق تقریباً نو اقوال منقول ہیں ہم طوالت سے بچتے ہوئے صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

"اِنَّه تَعَالىٰ، لَمْ يَزَلْ مُتَكَلِّمًا اِذَا شَاءَ وَمَتىٰ شَاءَ، وَكَيْفَ شَاءَ وَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ، وَاَنَّ نَوْعَ الْكَلَامِ قَدِيْمٌ، وَاِنْ لَمْ يَكُنِ الصَّوْتُ الْمُعَيَّنُ قَدِيْمًا، وَهٰذَا هُوَ الْمَاْثُوْرُ عَنْ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ."

کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تکلم ہیں، جب چاہے، جیسا چاہے جس طرح چاہے، وہ تکلم فرماتے ہیں سنائی دینے والی آواز کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے، اگرچہ یہ متعین آواز قدیم نہ ہو۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اسی پر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول دلالت کر رہا ہے:

---

(۱) رواہ ابن ماجہ

" انه تعالىٰ لَمْ يَزَلْ مُتَكَلِّمًا اِذَا شَاءَ ، كَيْفَ شَاءَ وَاَنَّ نَوْعَ كَلَامِهٖ قَدِيْمٌ."

"الفقه الاكبر" میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں یہی ارشاد فرمایا:" وَالْقُرْاٰنُ فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ وَفِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ، وَعَلَى الْاَلْسِنَةِ مَقْرُوْءٌ، وَعَلَى النَّبِيِّ ﷺ مُنَزَّلٌ، وَلَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ، وَالْقُرْاٰنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ. (۱)

یعنی امام اعظم رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور دلوں میں محفوظ ہے اور زبان سے پڑھی جانے والی ہے اور نبی کریم ﷺ پر اتارا گیا ہے، قرآن غیر مخلوق ہے، البتہ ہمارے تلفظ کے جو الفاظ ہیں وہ مخلوق ہیں۔

قولہ اَيْقَنُوْا اَنَّهٗ كَلَامُ اللهِ فِي الْحَقِيْقَةِ لَيْسَ بِمَخْلُوْقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ سے معتزلہ پر رد ہے کہ وہ قرآن کو انسانی کلام کی طرح قرار دیتے ہیں "بالحقیقۃ" ان لوگوں پر رد ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلام تو فرماتے ہیں سنائی نہیں دیتے، کیونکہ وہ ایک معنیٰ بسیط ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، تو طحاویؒ نے اس عقیدہ کو رد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا حقیقی کلام نہ ہو جو سنائی دے تو لازم آئے گا متکلم آخرس (گونگا) ہونا حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے منزہ ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنائی دیتا ہے جیسا کہ ماقبل میں آیات واحادیث سے ثابت کیا۔

اللہ تعالیٰ کا تذکرہ انسانی اوصاف سے نہیں کیا جائے گا

عقيدة: ٣٤" وَمَنْ وَصَفَ اللهَ بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِي الْبَشَرِ، فَقَدْ كَفَرَ، فَمَنْ اَبْصَرَ هٰذَا اِعْتَبَرَ وَعَنْ مِثْلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ اِنْجَزَرَ، وَعَلِمَ اَنَّهٗ بِصِفَاتِهٖ لَيْسَ كَالْبَشَرِ."

ترجمہ:"جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر انسانی اوصاف میں سے کسی وصف کے ساتھ کیا اس نے کفر

---

(۱) تلخیص شرح عقیدۃ الطحاویہ، للبدخشانی)

کیا، جس نے اس میں بنظر بصیرت غور کیا اس نے نصیحت حاصل کی، اور کفار کے اقوال ونظریات سے بچ نکلا اور اس حقیقت کو جان گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ انسان کی طرح نہیں ہے۔"

تشریح:۔ یہ بات پوری تفصیل کے ساتھ واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات میں بے مثل اور بے مثال ہیں کسی بھی صفت میں بشر کے ساتھ مشابہ نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ متکلم ہیں لیکن اُن کا کلام مخلوق کی طرح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت سمع ثابت ہے لیکن آپ کی سماعت مخلوق کی طرح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (۱)

فرقہ معطلہ نے تو سرے سے صفات سے انکار کر دیا اور مشبہ اللہ تعالیٰ کیلئے بشری صفات ثابت کرتے ہیں۔ یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں حق دونوں کے درمیان میں ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ کا بیان

عقیدۃ: ۳۵" وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ، بِغَيْرِ اِحَاطَةٍ، وَلَا كَيْفِيَّةٍ، كَمَا نَطَقَ بِهٖ كِتَابُ رَبِّنَا."

وَتَفْسِيْرُهٗ عَلٰى مَا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَعَلِمَهٗ وَكُلُّ مَا جَاءَ فِي ذٰلِكَ مِنَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَعْنَاهُ عَلٰى مَا اَرَادَ ، لَانَدْخُلُ فِي ذَالِكَ مُتَاَوِّلِيْنَ بِاٰرَائِنَا وَلَا مُتَوَهِّمِيْنَ بِاَهْوَائِنَا فَاِنَّهٗ مَا سَلِمَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَلِرَسُوْلِهٖ ﷺ وَرَدَّ عِلْمَ مَااشْتَبَهَ عَلَيْهِ اِلٰى عَالِمِهٖ."

ترجمہ: "اہل جنت کا اپنے پروردگار کو دیکھنا برحق ہے لیکن یہ رؤیت بغیر کسی احاطہ اور کیفیت کے ہوگی، جیسا کہ ہمارے پروردگار کی کتاب نے ذکر کیا ہے، اس روز بہت سے چہرے پر رونق ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے۔ اس کی تفسیر وہی ہے

---

(۱) الشوریٰ ۱۱ (القیامۃ: ۲۲-۲۳)

جو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور علم کے مطابق ہے، اور اس سلسلہ میں جتنی بھی رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث وارد ہیں وہ سب معتبر متصور ہونگی، اور ان کا مفہوم وہی ہے جسکا انہوں نے ارادہ کیا، ہم اپنی اراء کے ذریعہ تاویل کر کے، اور اپنی خواہشات سے توہم کر کے اس میں دخل نہیں دیں گے، اس لئے کہ انسان کا دین اسی صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے جب وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد کر دے اور مشتبہات کا علم علمائے راسخین پر چھوڑے۔"

تشریح:۔ رؤیت باری تعالیٰ اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد میں سے ایک اہم ترین عقیدہ ہے جس کے مطابق اہل ایمان کو بروز قیامت اپنے پروردگار کا دیدار نصیب ہوگا بارگاہ قدسی میں جس کا مقام جتنا بلند ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ دیدار الٰہی سے لطف اندوز ہوگا۔

تمام اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ جنت میں مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا البتہ جہمیہ، معتزلہ، خوارج اور امامیہ رؤیت باری تعالیٰ سے منکر ہیں۔

اہل سنت والجماعت کیلئے رؤیت باری تعالیٰ کی اثبات پر عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور ہر موجود چیز میں رؤیت کا امکان موجود ہوتا ہے لہذا رؤیت باری تعالیٰ بھی ممکن ہے۔

نقلی دلائل تو بہت سارے ہیں چند مشہور دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی دلیل وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۱) بعض چہرے بروز قیامت تروتازہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہوں گے۔

دوسری دلیل یہ ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ. (۲) ترجمہ: جن لوگوں نے نیکوکاری کی اُن کیلئے بھلائی ہے اور مزید براں اور بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ حسنیٰ سے مراد جنت اور زیادہ سے مراد رب کریم کا دیدار ہے۔

---

(۱) القیامۃ: ۲۲-۲۳ (۲) یونس، ۲۶

تیسری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ. تم بروز قیامت باری تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسا کہ تم چودھویں چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی سارے احادیث ہیں منکرین رؤیت کے دلائل

پہلی دلیل لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (۱) یعنی اللہ تعالیٰ لطیف ہے اور لطیف چیز کی رؤیت ناممکن ہے۔

اس سے جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ادراک تام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ادراک تام ناممکن ہے۔

دوسری دلیل بنی اسرائیل کا وہ مطالبہ ہے جو کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے فرمایا اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰعِقَۃُ. (۲) کہ جب انہوں نے رؤیت کا مطالبہ کیا تو اُن پر آسمانی بجلی نازل ہوئی۔ اس سے ہمارا جواب یہ ہے کہ انہوں نے غیر ممکن کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ غیر مستطاع کا سوال کیا تھا جسکی وجہ سے اُن پر عذاب نازل ہوا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ رؤیت کیلئے کچھ شرائط ہیں۔

۱۔ رائی اور مرئی دونوں کے درمیان مناسب فاصلہ ہو۔ ۲۔ مرئی مادہ اور جسم ہو۔

۳۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ سمت مقابل میں ہوں۔ ۴۔ مرئی روشنی میں ہو۔ ۵۔ رائی کے آنکھوں میں قوت بصارت موجود ہو۔

لہذا اس دلیل سے جواب یہ ہے کہ ان شرائط کا تعلق مبصرات دنیوی کے ساتھ ہیں آخرت میں باری تعالیٰ کی رؤیت ان شرائط کے بغیر ہوگی۔

آخر میں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ یہ شرف کس کو حاصل ہوگا۔

اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ ۱۔ فقط اہل ایمان کو۔ ۲۔ تمام اہل محشر کو کفار اور مومنین

---

(۱) الانعام ۱۰۳ (۲) البقرۃ ۵۶

سب کو دیدار حاصل ہوگا اس کے بعد رؤیت کفار کو حاصل نہ ہوگی۔۳۔مومنین کے ساتھ منافقین کو بھی رؤیت حاصل ہوگی باقی کفار کو نہیں۔

شکوک وشبہات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے۔

عقیدۃ:۳۶" وَمَا ثَبَتَ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلَىٰ ظَهْرِ التَّسْلِيمِ وَالْإِسْتِلَامِ فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُظِرَ عَنْهُ عِلْمُهُ، وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ فَهْمَهُ، حَجَبَهُ مَرَامُهُ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيدِ، وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ وَصَحِيحِ الْإِيمَانِ، فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ وَالتَّصْدِيقِ وَالتَّكْذِيبِ وَالْإِقْرَارِ وَالْإِنْكَارِ. مُوَسْوِسًا تَائِهًا، شَاكًّا لَا مُؤْمِنًا مُصَدِّقًا وَلَا جَاحِدًا مُكَذِّبًا."

ترجمہ:"اسلام کا قدم تسلیم اور استسلام پر جم سکتا ہے۔لہٰذا جو شخص اس چیز کے جاننے کے درپے ہو جس سے اسے روکا گیا ہے اور اس کی فہم تسلیم واطاعت پر قناعت نہ کرے تو اس کا مقصد اسے خالص توحید، شفاف معرفت اور صحیح ایمان سے روک دے گا۔ بلکہ وہ کفر وایمان، تصدیق وتکذیب اور اقرار وانکار کے درمیان مذبذب رہے گا۔اس کی حالت ہمیشہ وسوسوں میں مبتلاء، حیران وپریشان انسان کی سی ہوجائے گی، نہ تو وہ تصدیق کرنے والا مؤمن رہتا ہے اور نہ ہی تکذیب کرنے والا منکر۔"

تشریح:۔مصنف رحمہ اللہ نے اس بات کو جس طور پر سمجھایا ہے کہ جس طرح پاؤں کے قرار کیلئے کسی شی کی پشت کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اسلام کے بقا کیلئے ضروری ہے کہ ہم نصوص شرعیہ اور احادیث رسول کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔اسلام کیلئے قدم اور تسلیم اور استلام کیلئے پشت کا اثبات بطور استعارہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہی شخص دین پر ثابت قدم رہ سکتا ہے جو کتاب وسنت کے نصوص کو مکمل طور پر تسلیم کرے اور اس کے مقابلے میں اپنی عقل اور قیاس کو دخل نہ دے اور شکوک وشبہات واعتراضات پیش نہ کرے۔امام زہری کا قول امام بخاری نے بیان کیا ہے۔وہ فرماتے

ہیں مِنَ اللهِ الرِّسَالَةَ مِنَ الرَّسُوْلِ الْبَلَاغَةَ وَعَلَيْنَا التَّسْلِيم. یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج کر احسان فرمایا۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ احکام پہنچانا اور ہمارے ذمہ شریعت کو ماننا ہے گویا تینوں کے کام اور حقوق واضح ہو گئے کہ ہمارے ذمہ تسلیم اور انقیاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری تبلیغ دین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ انہوں نے پیغمبر بھیجنے کا انتظام فرمایا ہے۔

قولہ فَمَنْ رَامَ الخ اس عبارت سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصد ماقبل کی تاکید ہے اور دین کے عقائد اور اصول میں بدون علم کلام کرنے سے تحذیر ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ جن باتوں کے علم سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے جیسے مشتبہات اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت وغیرہ اگر انسان ان باتوں سے رک نہ جائے اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے اُس کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ وہ ایمان میں پختہ نہ ہوگا بلکہ شکوک وشبہات کا شکار ہوگا۔ قولہ فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ الخ، اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص نصوص چھوڑ کر تاویلات فاسدہ اور مختلف غلط آراء کے تابع ہوگا وہ مضطرب اور بے چین ہوگا، خسرت وضلال اور شکوک وشبہات کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَذَالِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ.

رویت باری کی کیفیت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں

عقیدۃ: ۳۷" وَلَايَصِحُّ الْإِيْمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِاَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لِمَنْ اِعْتَبَرَهَا مِنْهُمْ بِوَهْمٍ، أَوْتَاوَّلَهَا بِفَهْمٍ، اِذْكَانَ تَاْوِيْلُ الرُّؤْيَةِ، وَتَاْوِيْلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ اِلَى الرُّبُوْبِيَّةِ ، بِتَرْكِ التَّاْوِيْلِ وَلُزُوْمِ التَّسْلِيْمِ وَعَلَيْهِ دِيْنُ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيْهَ. زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيْهَ. فَاِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلَا مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ .مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ اَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ."

---

(۱) (الزُّمَرُ ۱۵)

ترجمہ:۔اہل جنت کی رؤیت خداوندی پر ایمان کے بارے میں کسی کیفیت کا توہم کرنا (کہ اللہ تعالیٰ اس شکل وصورت کے ہونگے) یا خاص کیفیت کی تاویل کرنا (رویت اس طرح اس کیفیت میں ہوگی) درست نہیں اس لئے رؤیت کی تاویل اسی طرح ہر اس صفت کی تاویل جسکی نسبت ربوبیت کی طرف ہو یہ ہے کہ تاویل کو چھوڑ دے اور تسلیم کرنے کو اپنے ذمہ لازم کرلے، اسی پر مسلمانوں کا اعتقاد ہے، جو شخص صفات باری کی نفی کرنے سے، یا کسی صفت میں (مخلوق کے ساتھ) تشبیہ سے نہ بچا وہ راہ حق سے پھسل گیا اور اس نے تنزیہ (اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب کی نفی) کا حق ادا نہیں کیا اس لئے کہ ہمارا بلند و برتر پروردگار ایسی وحدانی اور انفرادی صفات کے ساتھ موصوف ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ان صفات کے ساتھ متصف نہیں۔"

تشریح:۔اس عقیدے کے بیان میں مصنف رحمہ اللہ کا مقصود اُن لوگوں کی تردید ہے جو رؤیت باری تعالیٰ سے منکر ہیں جو کہ معتزلہ وغیرہ ہیں نیز مشبہ کی تردید مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوقات اور اُن کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔تو فرمایا کہ اہل جنت کو جنت میں رؤیت باری تعالیٰ حاصل ہوگی لیکن اس کے بارے میں اپنے خیال سے کسی کیفیت کا وہم کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت اس شکل میں ہوگی یہ جائز نہیں کیونکہ یہ تشبیہ ہے

فَمَنْ اِعْتَبَرَهَا مِنْهُمْ بِوَهْمٍ الخ. مصنف رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اہل جنت کیلئے رؤیت ثابت ہے اور وہ لوگ غلطی کے شکار ہیں۔ جو اپنے اوہام باطلہ سے طرح طرح کے خیالات باندھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دیدار اس طرح ہوگی اور اس طرح ہوگی ان خیالات باطلہ کی وجہ سے کبھی تشبیہ اور کبھی تعطیل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

قولہ اَوْتَاَوَّلَهَا بِفَهْمٍ الخ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ اُس نے نص شرعی کی تاویل اپنے فہم کے مطابق کی ہے گو وہ تاویل ظاہر نص کے خلاف ہو اور اُس مفہوم کے بھی خلاف ہو جو اہل زبان اس عبارت سے سمجھتے ہیں درحقیقت یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے وہ تاویل جو کتاب وسنت کے مطابق ہو وہی تاویل صحیح ہوگی اور اگر ایسی تاویل کی گئی جو کتاب وسنت کے مخالف ہو تو وہ

تاویل فاسد بلکہ تحریف ہے۔

قولہ وَمَنْ لَمْ یَتَوَقَّ النَّفْیَ وَالتَّشْبِیْہَ الخ

مصنفؒ دو باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے صفات کی نفی کرنا تاویل کے ساتھ یا بلا تاویل یہ کفر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کو کسی وصف میں مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا یہ بھی کفر ہے۔

قولہ مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِیَّۃِ الخ. اس عبارت سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصود مذکورہ بات کی وضاحت اور تاکید ہے۔ کہ رؤیت کا انکار بھی غلط اور رؤیت مان کر تشبیہ کا طریقہ اختیار کرنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور لاثانی ہے۔ مذکورہ عبارت سورۃ اخلاص کی مضمون سے مشابہت رکھتا ہے چنانچہ مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِیَّۃِ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سے مأخوذ ہے مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِیَّۃِ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ سے مأخوذ ہے۔ اور لَیْسَ فِیْ مَعْنَاہُ اَحَدٌ مِنَ الْبَرِیَّۃِ وَلَمْ یَکُنْ کُفُوًا اَحَدٌ سے مأخوذ ہے۔

جہات ستہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں

عقیدۃ :۳۸" تَعَالَی اللّٰہُ عَنِ الْحُدُوْدِ وَالْغَایَاتِ ، وَالْاَرْکَانِ وَالْاَعْضَاءِ وَالْاَدَوَاتِ، لَاتُحَوِّیْہِ الْجِھَاتُ السِّتُّ کَسَائِرِ الْمُبْتَدِعَاتِ."

ترجمہ:" اللہ عزوجل حدود و قیود اور ارکان و اعضاء و آلات سے بالاتر ہے، اور نہ ہی عام اشیاء کی طرح جہات ستہ اس پر حاوی ہیں۔"

تشریح:۔ اس عقیدے کے بیان میں مصنف رحمہ اللہ کا مقصود مجسمہ، مشبہ اور معطلہ کی تردید ہے۔ مجسمہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جسم اور اعضاء ہیں۔ مشبہ اللہ تعالیٰ کیلئے انسانی اعضاء جیسے اعضاء ثابت کرتے ہیں۔ معطلہ کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے اپنی مخلوقات میں حلول کیے ہوئے ہیں اور جہات ستہ میں گھرا ہوا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان

چیزوں سے بلند و بالا اور منزّہ ہے۔ تمام مخلوقات کو جہات ستہ گھیرے ہوئے ہیں۔ فوق، تحت، خلف، قدام، یمین اور شمال اللہ تعالیٰ کو جہات ستہ حاوی نہیں ہوسکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے ہر لحاظ سے ممتاز اور جدا ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہات ستہ کے خالق اور یہ مخلوق ہیں۔ مخلوق خالق کا احاطہ کس طرح کرسکتی ہیں۔

قولہ الغایات: جمع ہے غایۃ کی۔ اس سے مراد وہ نہایات ہیں جو کہ اجسام کے لوازم میں سے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی ایسی تعریف نہیں ہوسکتی جو اللہ تعالیٰ کی حدود کو بیان کرکے اللہ تعالیٰ کی ذات متعین کردے کہ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی ذات شروع ہے اور یہاں پر آکر ختم ہوا ہے۔

قولہ اَلْاَرْکَانِ الخ اللہ تعالیٰ ارکان سے منزہ ہے کیونکہ ارکان اور اعضاء ماھیت کے اجزاء ہوتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تجزی قبول نہیں کرتی۔

قولہ اَلْاَعْضَاءِ الخ یہ جمع ہے عضو کی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اعضاء اور جوارح نہیں ہیں۔ اعضاء کبھی ترکیب کو مستلزم ہوتے ہیں کبھی تبعیض کو اور کبھی تفریق کو۔ اللہ تعالیٰ احد اور صمد ہونے کی وجہ سے تبعیض، ترکیب اور تفریق سے پاک اور منزّہ ہے۔ کیونکہ یہ علامات حدوث ہیں اور اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے۔ اعضاء کے ذریعے آلات اور اسباب پکڑے جاتے ہیں اور پھر اُن آلات اور اسباب کے ذریعے کام کیا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کن فیکون ہے اُس کیلئے نہ آلات اور اسباب کی ضرورت ہے اور نہ اعضاء اور جوارح کی۔

قولہ اَلْاَدَوَاتِ الخ اس کے معنی آلات کے ہیں۔ یعنی جس طرح انسان کو مختلف آلات اور اسباب کی ضرورت ہے۔ جانے کیلئے پاؤں کی ضرورت ہے سننے کیلئے کان کی ضرورت وغیرہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تو احتیاج ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی احتیاج سے پاک اور غنی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ.(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات سب پر حاوی ہے اور تمام چیزوں

---

(۱) ال عمران ۹۷

سے بے نیاز ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کیلئے ید، وجہ، قدم، اصابع، عین اور ساق وغیرہ کے الفاظ مستعمل ہیں۔ مگر جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات انسان جیسی نہیں تو یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں لیکن یہ انسانوں کی طرح نہیں بلکہ ان کی کیفیت اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی شایان شان ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ان اسماء کے معانی تو ہمیں معلوم ہیں البتہ ان کی کیفیت نہیں جانتے ہم یہ کہیں گے کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں ان کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے امام مالک رحمہ اللہ سے استواء کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْھُوْلٌ وَالسُّوَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ.

معراج کا بیان

عقیدۃ: ۳۹" وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ، وَقَدْ اُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ ﷺ وَعُرِجَ بِشَخْصِہٖ فِی الْیَقْظَۃِ اِلَی السَّمَاءِ -ثُمَّ حَیْثُ مَاشَاءَ اللّٰہُ مِنَ الْعُلٰی، وَاَکْرَمَہُ اللّٰہُ بِمَا شَاءَ، وَاَوْحٰی اِلَیْہِ مَا اَوْحٰی، مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی، فَصَلَّی اللّٰہُ ﷺ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی.

ترجمہ: "معراج برحق ہے، نبی کریم ﷺ کو رات کے وقت سیر کرائی گئی ہے، اور بیداری کے عالم میں آسمان کی طرف آپکے جسد اطہر کو اٹھایا گیا، پھر بلندیوں پر اللہ تعالیٰ نے جہاں تک چاہا لے جایا گیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی منشاء کے مطابق آپ کو عزت بخشی، اور اپنے بندے کی جانب وحی کی جو کہ وحی کی۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر رحمت نازل فرمائے دنیا وآخرت میں۔

تشریح:۔ معراج مفعال کا وزن ہے اسم آلہ ہے اور یہ عروج سے مشتق ہے قرآن کریم میں وارد ہے. تَعْرُجُ اِلَیْہِ الْمَلٰئِکَۃُ. معراج کے معنی ہیں وہ چیز جس کے ذریعے چڑھا جائے۔ معراج کے تین حصے ہیں ایک حصہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک یہ حصہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ دوسرا حصہ مسجد اقصیٰ سے لے کر آسمانوں تک اور یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور اس کا

منکر مبتدع ہے اور تیسرا حصہ آسمانوں سے لے کر اِلیٰ ماشاء اللہ تک اور یہ خبر واحد سے ثابت ہے اس کا منکر گناہ گار ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ معراج جسمانی طور پر ثابت ہے اور یہ بیداری کی حالت میں ثابت ہے۔ معراج کا واقعہ ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو پیش آیا ہے اکثر علماء نے بعثت کا پانچواں سال بتایا ہے جبکہ بعض کے نزدیک ساتواں ہے اور اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی موجود ہیں۔

معراج کا مختصر واقعہ یہ ہے۔ کہ رات کے وقت حضرت جبرئیلؑ حضورؐ کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار الٰہی پر جانے کو فرمایا۔ حضورؐ خوش ہوئے دو رکعت صلوٰۃ شکریہ ادا کیا۔ پھر حضرت جبرئیلؑ نے حضورؐ کو آب زمزم کے پاس لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کر کے قلب مبارک کو آب زمزم سے دھویا اور پھر اُسے درست کرا کر براق پر سوار کر کے مسجد حرام سے بیت المقدس لے گئے۔ راستے پر جاتے ہوئے مقدس مقامات کا سیر بھی کروایا۔ مسجد اقصیٰ میں جا کر آپ امام الانبیاء بنے اور پھر حضرت جبرئیل کی مصاحبت میں آسمانوں کیلئے روانہ ہوئے آسمانوں پر جاتے جاتے کئی انبیاء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے آگے جا کر جنت اور جہنم کا سیر کیا۔ حوض کوثر دیکھا۔ آگے جا کر سدرۃ المنتہیٰ دیکھا جس کو رنگ برنگ نورانی پرندوں نے ڈھانک رکھا تھا یہ ایک ایسا حسین اور جمیل منظر پیش کر رہا تھا کہ مخلوق خدا میں کوئی بھی اُسکی حسن وخوبی کی صحیح تعریف نہیں کر سکتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر ہزار حجابات طے کرائے گئے اور پھر آگے جا کر دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم بقدر حسنہ وجمالہ وکمالہ.

حوض کوثر حق اور سچ ہے۔

عقیدۃ: ۴۰ "وَالْحَوْضُ الَّذِیْ اَکْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ غِیَاثًا لِاُمَّتِهٖ حَقٌّ."

ترجمہ: "وہ حوض برحق ہے، جس کے ذریعہ امت کی سیرابی کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی۔"

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ اس عقیدے میں حوض کوثر کی حقانیت بیان کر دیا ہے۔ کہ یہ حق ہے اور سچ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں ایک نہر دی جائے گی جس کا نام کوثر ہے اسکی ایک شاخ میدان حشر میں بھی ہوگی جس کو حوض کوثر کہا جاتا ہے جس کا بیان ادھر مقصود ہے۔ سورۃ الکوثر میں اس حوض کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اس حوض کا پانی دودھ سے زیادہ سفید برف سے زیادہ ٹھنڈا، شہد سے زیادہ میٹھا اسکی خوشبو مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے اس پر موجود گلاس آسمانی ستاروں سے زیادہ ہوں گے حدیث میں حوض کوثر کی مسافت کا جو تذکرہ ہے تو اس سے مراد تحدید نہیں بلکہ تکثیر ہے کہ یہ حوض بہت وسیع اور عریض ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ ہر نبی کیلئے بروز قیامت ایک حوض ہوگا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض سب سے بڑا اور شیریں ہوگا اور اُس کا نام کوثر ہے اور سب سے زیادہ پینے والے حضور کی حوض سے ہوں گے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِفَضْلِكَ وَ كَرَمِكَ اَللّٰھُمَّ آمِیْنَ. صحیح قول کے مطابق حوض پہلے ہوگا اس کے بعد میزان ہوگا۔

رسول ﷺ کی شفاعت کا بیان

عقیدۃ: ۴۱ "اَلشَّفَاعَةُ الَّتِیْ اِدَّخَرَھَا لَھُمْ حَقٌّ كَمَا رُوِیَ فِی الْاَخْبَارِ."

ترجمہ: امت کیلئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی برحق ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔"

تشریح:۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اہل کبائر کے حق میں حضرات انبیاء کرام اور صلحاء امت کی شفاعت اور سفارش ثابت ہے۔ شفاعت کی اس قسم سے معتزلہ منکر ہیں تو اُن کی تردید کے واسطے مصنف رحمہ اللہ نے اس کو بیان کیا۔ شفاعت کے لغوی معنی ملانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش کا حاصل بھی یہی ہے گناہ گاروں اور اصحاب الکبائر کے ساتھ اپنے کو ملا کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی درخواست کرتا ہے۔

شفاعت کے مندرجہ ذیل اقسام ہیں

۱۔حشر کی شدت سے بچانے کیلئے اور حساب وکتاب شروع کرانے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے حق میں شفاعت فرمائیں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ اور شفاعت کبریٰ کہلاتی ہے۔ یہ حضور کی خصوصیت ہوگی۔کوئی بھی نبی یا ولی اس کیلئے تیار نہ ہوگا۔

۲۔ایک طبقہ کو بلاحساب وکتاب کے جنت میں داخل کرانے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ثابت ہے۔

۳۔جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی اُن کے حق میں شفاعت ثابت ہے تاکہ اُن کو جنت میں داخل کردیئے جائیں۔

۴۔اپنے گناہوں کی وجہ سے جولوگ جہنم کے مستحق ہوچکے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کیلئے جنت میں داخل کرانے کی شفاعت فرمائیں گے۔

۵۔کچھ لوگوں کے درجات اور اعزاز واکرام میں اضافہ کی بھی آپ سفارش فرمائیں گے۔

۶۔جو مسلمان گناہوں کی وجہ سے جہنم جاچکے ہیں اُن کو جہنم سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کیلئے شفاعت ثابت ہے یہ شفاعت مشترک ہوگی انبیاء کرام، فرشتے، علماء، حفاظ اور مومنین بھی اپنے طور پر لوگوں کی سفارش کریں گے معتزلہ اور خوارج اس سے منکر ہیں۔

۷۔تخفیف عذاب کی سفارش بھی ثابت ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش اپنے چچا ابوطالب کیلئے۔

۸۔صرف اہل مدینہ کیلئے

۹۔صرف روضہ اقدس کی زیارت کرنے والے کیلئے

۱۰۔اہل جنت کو جنت میں داخلہ کی اجازت کیلئے۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شفاعت نہیں کرسکے گا۔مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (البقرہ ۲۵۵)

عہد "اَلَسْتُ" پر ایمان

عقیدۃ: ۴۲ "وَالْمِیْثَاقُ الَّذِیْ اَخَذَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ اٰدَمَ وَذُرِّیَّتِہٖ حَقٌّ."

ترجمہ: "آدم علیہ السلام اور اولاد آدم سے اللہ تعالیٰ نے جو میثاق لیا وہ برحق ہے۔"

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد سے اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا وعدہ لیا تھا وہ حق اور سچ ہے۔ اُس وعدے کا بیان قرآن پاک میں موجود ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ. (۱)

ترجمہ: اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرلیا (یعنی اُن سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) یہ اقرار اس لیے کروایا تھا کہ قیامت کے دن (کہیں یہ نہ) کہنے لگے کہ ہم کو اس کی خبر نہیں تھی۔ تمام انسان چھوٹے سرخ چیونٹیوں کی شکل میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے پیدا ہوئے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تمام کے تمام حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے پیدا ہوئے جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تمام انسان اپنے آباؤ واجداد کی پیٹھ سے پیدا ہوئے۔ یہ واقعہ کہاں پیش آیا۔ حدیث سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ یہ واقعہ وادی نعمان (عرفات) میں پیش آیا ہے۔

اس واقعہ اور وعدہ کی یاددھانی کے طور پر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہ السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس واقعے کا تذکرہ حدیث میں آیا ہے۔ ان اللہ اخذ المیثاق من ظھر آدم بنعمان یوم عرفۃ فاخرج من صلبہ کل ذریۃ فنشرھا بین یدیہ ثم کلمھم قبلاً قال (الست بربکم قالوا بلی شھدنا). (۲)

---

(۱) الاعراف ۱۷۲ (۲) احمد

ترجمہ:۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرفہ کے دن نعمان عرفات کے مقام پر اولاد آدم سے عہد لیا۔آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا پھر سب کو اُن کے سامنے پھیلایا پھر اُن سے سامنے ہی بات کی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے یک زبان ہوکر کہا آپ ضرور ہمارے رب ہیں ہم اس بات پر گواہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام روحوں کو چھوٹے اجسام کی شکل میں پیدا فرمایا اُن کو عقل وشعور دے کر اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر ہر فرد بشر کی طبیعت میں اپنی ربوبیت کی تخم ریزی فرمائی۔اور اسکی یاد دھانی کیلئے عقل سلیم، وحی اور آسمانی مذاہب کا انتظام فرمایا۔اس فطری اقرار کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر بچہ فطری طور پر عقیدہ توحید پر پیدا ہوتا ہے پھر والدین کی تربیت اور ماحول کی وجہ سے عقیدہ بدل جاتا ہے۔اس کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ ہے فِطْرَةَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ (۱)

اہل جنت اور اہل جہنم کی تعداد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے

عقیدۃ:۴۳ "وَقَدْ عَلِمَ اللهُ تَعَالٰى فِيْمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَعَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ، جُمْلَةً وَاحِدَةً، فَلَايُزَادُ فِيْ ذَالِكَ الْعَدَدِ وَلَايُنْقَصُ مِنْهُ."

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان لوگوں کا یکمشت علم ہے جو جنت میں جائیں گے اور ان کا بھی جو جہنم واصل ہوں گے اس میں نہ کسی کا اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی۔"

تشریح:اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ. (۲) ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں ہوگا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ بقیع میں ایک جنازہ کے ساتھ تھے رسول اللہ ﷺ

---

(۱) الروم ۳۰ (۲) الشوریٰ ۷

ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ ہم لوگ آپ کے اردگرد بیٹھ گئے آپ کے پاس ایک عصا تھا آپؐ اُس سے زمین کریدنے لگے پھر فرمایا کہ کوئی جان نہیں جو پیدا ہوئی ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم میں اُسکی جگہ لکھدی ہے اور یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ وہ بد بخت ہے یا نیک بخت۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کیا پھر ہم تقدیر پر اعتماد کر کے عمل ترک کردیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نیک بخت ہوگا وہ نیک بختوں کی عمل کی طرف جائے گا اور جو بد بخت ہوگا وہ بد بختوں کی عمل کی طرف جائے گا۔ پھر فرمایا کہ عمل کرو ہر ایک کیلئے وہ آسان کردیا گیا ہے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی (۱) ترجمہ: سو جس نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا تو ہم اُس کو راحت کی چیز کیلئے سامان دے دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات یعنی اسلام کو جھٹلایا تو ہم اُس کو تکلیف کی چیز کے لیے سامان دے دیں گے اللہ تعالیٰ کو اہل جنت اور اہل جہنم کا پہلے سے علم حاصل ہے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہاتھوں میں دو رجسٹر تھے فرمانے لگے کہ داہنے ہاتھ والے رجسٹر میں اہل جنت کے نام ہیں اور بائیں ہاتھ والے رجسٹر میں اہل جہنم کے نام ہیں۔

شقاوت اور سعادت اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہوگا۔

عقیدۃ: ٤٤ "وَكَذٰلِكَ اَفْعَالُهُمْ فِيْمَا عَلِمَ مِنْهُمْ اَنْ يَفْعَلُوْهُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ وَالْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ، وَالسَّعِيْدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللهِ، وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللهِ."

ترجمہ: "اسی طرح لوگوں کے وہ اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں جو ان کو مستقبل میں سرانجام

---

(۱) اللیل ۵، ۶، ۷۔

دیتے ہیں، ہر آدمی کو اسی کام کی توفیق دیجاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا، اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے، نیک بخت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق نیک بخت ہو اور بد بخت وہ ہے جو قضاء الٰہی سے بد بخت ہو۔"

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے تمام بندوں کے اعمال کی بھی خبر ہے کہ کون کیا عمل کرے گا اور اس کے عمل کا انجام کیا ہوگا۔ یعنی ہر انسان کیلئے پیدائش سے لے کر موت تک کون کون سے افعال انجام دینے ہیں یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے پیدا ہونے کے بعد ہر ایک کو اُس فعل کی توفیق ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کیلئے تقدیر میں لکھدیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ اعمال اُس کیلئے آسان کردیئے اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے اگر جنت والے اعمال پر خاتمہ ہو تو وہ جنتی ہے ورنہ جہنمی ہے یہ ساری باتیں پہلے سے تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں۔ سعادت اور شقاوت سب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ ازلی کے مطابق ہے۔ سعادت کا فیصلہ اُس کا احسان اور شقاوت کا فیصلہ اُس کا عدل وانصاف ہے۔

مسئلہ تقدیر پر ایمان۔

عقیدۃ: ۴۵ " وَاَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللهِ تَعَالٰی فِیْ خَلْقِهٖ، لَمْ یَطَّلِعْ عَلٰی ذَالِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَانَبِیٌّ مُرْسَلٌ، وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِیْ ذَالِكَ، ذَرِیْعَةُ الْخُذْلَانِ ، وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ، وَدَرَجَةُ الطُّغْیَانِ ، فَالْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ، مِنْ ذٰلِكَ نَظَرًا وَفِكْرًا وَوَسْوَسَةً فَاِنَّ اللهَ تَعَالٰی طَوٰی عِلْمَ الْقَدَرِ عَنْ اَنَامِهٖ، وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰی فِیْ كِتَابِهٖ: ﴿لَایُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ﴾ (۱) فَمَنْ سَاَلَ لِمَ فَعَلَ؟ فَقَدْرَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ، وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ."

ترجمہ: "تقدیر کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے، اس سے نہ تو کوئی مقرب فرشتہ

---

(۱) الانبیاء ۲۳

آگاہ ہے نہ نبی مرسل، تقدیر میں غور وفکر کرنا ناکامی، محرومی اور سرکشی کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا مسئلہ تقدیر میں غور کرنے سے نظر فکر اور وسوسہ ہر اعتبار سے مکمل اجتناب کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم اپنی مخلوق سے سمیٹ رکھا ہے اور اس کے پیچھے پڑنے سے منع کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جو کام وہ اللہ تعالیٰ کرے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے باز پرس ہوگی اور جس نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیوں کیا؟ تو اس نے کتاب اللہ کے حکم کو رد کر دیا وہ زمرہ کفار میں شامل ہو گیا۔"

تشریح:۔ تقدیر مخلوق کے حق میں ایک سربستہ راز ہے۔ یہ عقدہ کسی پر کھلتا نہیں ساری دنیا تقدیر کی پابند ہے۔ اللہ کسی کو وجود دے رہا ہے، کسی کو فنا کر رہا ہے۔ کسی کو فقیر بنا رہا ہے، کسی کو مالدار۔ کسی کو موت دے رہا ہے، کسی کو زندگی۔ کسی کو گمراہ کرتا ہے۔ کسی کو ہدایت یافتہ۔ اس میں اللہ کا راز ہے کوئی اس راز کو جان نہیں سکتا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں تقدیر اللہ کا راز ہے اس سے پردہ نہ اٹھاؤ یعنی اس راز کو فاش کرنا مشکل ہے۔ ہر چیز اللہ کے قضاوقدر سے ہوتی ہے۔ اور اللہ بندوں کے افعال کا خالق ہے فرمایا۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (۱) ترجمہ: ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (۲)

ترجمہ: اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اندازہ لگا کر۔

اللہ کافر سے کفر چاہتا ہے لیکن اس کے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

نوٹ: چاہنے کا معنیٰ ارادہ کرنا۔ یعنی کافر کے کفر کا ارادہ کرتا ہے) کافر کے کفر کو تکوینًا چاہتا ہے دینًا پسند نہیں کرتا۔ تقدیر کا علم نہ کسی مقرب فرشتہ کو ہے نہ کسی نبی مرسل کو۔ جب ایسے مقرب بندے تقدیر کی حقیقت کو نہیں جانتے تو ان کے علاوہ لوگوں کی کیا حیثیت ہے جو اس راز کے افشاء میں لگے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ . (۳) ترجمہ: اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم

---

(۱) القمر، ۴۹ (۲) الفرقان، ۲ (۳) صٰفّٰت، ۹۶

بناتے ہو۔

اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے اور بندے اپنے افعال کے کاسب ہیں۔ ہر آدمی اپنے عمل میں ارادہ و اختیار کے لحاظ سے آزاد ہے۔ اللہ کے علم اور ارادہ کے خلاف مشکل ہے ورنہ اللہ اپنے ارادہ میں ناکام ہو جائے گا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ کافر سے ایمان چاہتا ہے اور کافر کفر چاہتا ہے۔ ان کا یہ قول غلط ہے پھر کافر کی چاہت اللہ کی چاہت پر غالب آجائے گی۔ عمر بن ہیثم کہتے ہیں ہم کشتی میں جا رہے تھے ہمارے ساتھ ایک قدری اور ایک مجوسی تھا۔ قدری نے مجوسی سے کہا کہ اسلام لاؤ مجوسی نے کہا ہاں اگر اللہ ارادہ کرلے یعنی میرے ایمان کا۔ قدری نے کہا کہ اللہ نے آپ کے ایمان کا ارادہ کیا ہے لیکن شیطان نے ارادہ نہیں کیا۔ مجوسی نے کہا اللہ نے بھی ارادہ کیا ہے اور شیطان نے بھی ارادہ کیا ہے لیکن شیطان کا ارادہ پورا ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ شیطان قوی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مجوسی نے پھر کہا پھر تو میں اقویٰ کے ساتھ ہوں۔

عمرو بن عبید ایک حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور کہا اے لوگو میری اونٹنی چوری ہو گئی ہے اللہ سے دعا مانگیں میری اونٹنی مجھے لوٹا دیں عمرو بن عبید نے کہا اے اللہ اگر آپ نے اونٹنی کے چوری ہو جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اس اعرابی کی طرف اس کی اونٹنی لوٹا دے۔ اعرابی نے کہا مجھے آپ کی دعا کی ضرورت نہیں۔ عمر بن عبید نے کہا کیوں؟ اعرابی نے کہا جس طرح اللہ نے میری اونٹنی چوری ہو جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا پھر بھی چوری ہو گئی اسی طرح مجھے اب خطرہ ہے کہ میری اونٹنی واپس لوٹانے کا ارادہ کرلے اور اونٹنی دوبارہ مجھے نہ ملے۔ یعنی جب پہلے ارادے میں اللہ عیاذاً باللہ ناکام رہا تو دوسرے ارادہ میں بھی ناکام ہو جائے گا۔

اللہ کی چاہت کے ادلہ:۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (۱)

ترجمہ:۔اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ لیکن ٹھیک پڑ چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (۲) ترجمہ:۔اور اگر تیرا رب چاہتا بے شک ایمان لے آتے جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام۔وَمَاتَشَآئُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ . (۳)

ترجمہ:اور تم جبھی چاہو کہ چاہے اللہ سارے جہان کا مالک۔مَنْ يَّشَأِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَأْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ . (٤) ترجمہ:۔جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے ڈال دے سیدھی راہ پر۔

جبریہ کہتے ہیں ضلال اللہ کے قضاء وقدر کے ساتھ ہے لیکن اللہ کو یہ ضلال محبوب اور پسندیدہ بھی ہے اور قدریہ کہتے ہیں معاصی اللہ کو محبوب نہیں اور نہ مقدر اور مقضی ہیں۔یعنی اللہ کی مشیت اور تخلیق سے خارج ہیں۔حالانکہ کتاب وسنت اور فطرت صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت اور محبت میں فرق ہے۔اللہ کی مشیت کے بارے میں تو نصوص گزر چکیں اور محبت کے بارے میں ملاحظہ فرمادیں۔وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ . (۵) ترجمہ:اور اللہ نا پسند کرتا ہے فساد کو۔وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ . (٦) ترجمہ:۔اور پسند نہیں کرتا اپنے بندوں کا منکر ہونا۔

شرک، ظلم، فواحش اور کبر سے ممانعت کے بعد فرمایا كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا (۷) ترجمہ:یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری۔

بخاری شریف میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثلاثًا قيلَ وقالَ وَكَثْرَةَ السُّوَالِ وَاِضَاعَةَ المالِ.

---

(۱) السجدۃ، ۱۳ (۲) یونس ۹۹ (۳) التکویر، ۲۹ (۴) الانعام، ۳۹
(۵) البقرہ ۲۵ (٦) الزمر ۷ (۷) الاسراء، ۳۸

سوال:۔ اللہ کسی امر کا کیسے ارادہ کرتے ہیں جبکہ اس کو پسند نہیں کرتے اور نہ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ ایک چیز کے ساتھ اللہ کا ارادہ اور بغض کیسے جمع ہوتا ہے؟

جواب:۔ مراد کی دو قسمیں ہیں اپنے لئے اور دوسرے کے لئے۔ اپنی مراد باعث ہونے کی وجہ سے مطلوب، مقصود اور محبوب ہوتی ہے۔ اور غیر کی مراد کبھی مرید کا مقصود نہیں ہوتی۔ مرید کی ذات کے لئے اس میں کوئی مصلحت نہیں ہوتی اگر چہ مرید کے مقصد اور مراد کے لئے وسیلہ ہو۔ بالذات مکروہ ہوگا لیکن مرید کے مراد تک وسیلہ کے لحاظ سے مکروہ نہ ہوگا۔ مثلاً کڑوی دوا کھانے والے کو معلوم ہوجائے کہ اس میں شفاء ہے تو دوا بالذات مریض کے لئے مکروہ ہے لیکن مریض کی مراد (شفاء) کے لئے وسیلہ ہے۔ اس طرح عضو ماؤف کا قطع کرنا بالذات مریض کے لیے مکروہ ہے لیکن اس کی مراد (شفاء) کے لحاظ سے مکروہ نہیں۔ یا محبوب تک پہنچنے کے لئے دشوار راستہ قطع کرنا، یہ سفر بالذات مکروہ ہے لیکن اس لحاظ سے کہ محبوب کا وصال ملے گا، مکروہ نہیں۔ عاقل آدمی تو ایسی صورتوں میں ان مکروہ کاموں کے ارتکاب کو ترجیح دیتا ہے اگر چہ مراد تک پہنچنے میں یقین نہیں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے وہ تو اسی کو معلوم ہے اس کے لئے وہ مکروہ چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے اس کے علم میں جو فوائد اور حکمتیں ہیں وہ اپنی مکروہ اور بری چیزوں کے وجود پر موقوف ہیں۔ تو اللہ ایک چیز کو ناپسند کرتے ہیں اس مکروہ کام کا ارادہ غیر کی وجہ سے مکروہ نہیں۔ اس لئے اللہ نے ابلیس کو پیدا کیا حالانکہ ابلیس کفر و شرک اور ہر قسم کی فساد کی جڑ ہے۔ اس کی وجہ سے کتنے لوگ شقی بن جاتے ہیں اور اللہ کے غضب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ اللہ کے بہت سے محبوب چیزوں کا وسیلہ ہے جن کا وجود اللہ کو ان کے عدم سے محبوب ہے۔ وہ محبوب چیزیں یہ ہیں۔

(۱) شیطان کے پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھاتے ہیں کہ میں اضداد کی تخلیق پر قادر ہوں۔ اگر ایک طرف ابلیس خبیث اور محض شر کو پیدا کرسکتا ہوں تو دوسری طرف اشرف ذات، پاک، صاف، محض خیر جبرئیلؑ کو بھی پیدا کرسکتا ہوں اللہ دونوں کا خالق ہے۔ جس طرح اللہ کی قدرت دن رات، دوا، داء، حیات و موت، حسن و قبیح، خیر و شر میں نظر آتی ہے وہ خالق الاضداد ہے

پھر دونوں میں اپنا تصرف کرتا ہے۔

(۲) مکروہ چیزوں کی تخلیق سے اللہ کے اسماء قہریہ کا ظہور ہوتا ہے مثلاً القھار، العدل، المنتقم، الضار، شدید العقاب، سریع الحساب، ذی البطش الشدید، الخافض المذل، یہ اسماء وافعال اس کی ذات کے لئے کمال ہیں۔ تو ان اسماء وافعال کے متعلقات کا وجود ضروری تھا کہ ان اسماء کا تعلق کن چیزوں سے ہوگا تو اس کے لئے ناپسندیدہ چیزوں کو پیدا کیا۔ اگر تمام جن وانس ملائکہ والی طبیعت پر پیدا ہوتے تو ان اسماء کا اثر ظاہر نہ ہوتا۔

(۳) ان اسماء کا ظہور ہوا جو اللہ کے حلم، عفو، مغفرت، ستر کو شامل ہیں اگر ان مکروہ اور ناپسندیدہ امور کی تخلیق نہ ہوتی تو ان فوائد اور حِکَم کا ظہور نہ ہوتا۔ حضور ﷺ کے اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے اور مغفرت مانگے پھر ان کی مغفرت ہو جائے۔

(۴) ان مکروہ چیزوں کے پیدا کرنے سے ان کی حکمت اور خیر ہونا ظاہر ہو گیا کہ اس کا ہر کام پر از حکمت ہے۔ ان شر کے اسباب میں مخفی خیر شر سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً دھوپ، بارش اور ہوا میں شر بھی ہے لیکن خیر غالب ہے۔ یا بجلی کتنی خطرناک ہے کہ ایک جھٹکا موت کا باعث بن جاتا ہے لیکن اس کے فوائد کتنے ہیں۔ بجلی کی وجہ سے فیکٹریاں چلتی ہیں۔ رات کے وقت دن کا سماں ہوتا ہے بجلی کے ذریعہ ٹرینیں چلتی ہیں بے شمار فوائد ہیں۔

(۵) اگر ابلیس نہ ہوتا تو جہاد جیسی عبادت کا وجود نہ ہوتا۔ امر بالمعروف ونھی عن المنکر کی عبادت، مخالفت نفس کی عبادت، توبہ واستغفار کی عبادت نہ ہوتی۔ مختلف قسم کی عبادتیں صرف شیطان کے وجود کی وجہ سے ہیں۔

سوال:۔ کیا یہ فوائد اور حکمتیں ان شرور کے اسباب کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی تھیں؟

جواب:۔ یہ سوال غلط ہے یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ ملزوم کے وجود کے بغیر لازم فرض کر لیا جائے۔ مثلاً بیٹا فرض کر لینا بغیر باپ کے یا حرکت فرض کرنا بغیر متحرک کے یا توبہ فرض کرنا بغیر تائب کے یا

بیماری فرض کرنا بغیر مریض کے۔

سوال:۔ کبھی اللہ کسی چیز کو بندوں کے لئے پسند کرتے ہیں لیکن اس میں تعاون نہیں فرماتے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب:۔ جس خیر سے اللہ راضی ہوتے ہیں تو اس میں تعاون کے ساتھ اللہ کا کوئی بڑا محبوب امر فوت ہوجاتا ہے۔ کبھی کسی طاعت کے وقوع میں کوئی مفسد ہوتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ (۱)

ترجمہ:۔ اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا ان کو۔

اگر وہ لوگ غزوہ میں چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہ دی رسول کے ساتھ غزوہ کی طرف نکلنا طاعت ہے لیکن اللہ نے ان سے اس نکلنے کو برا جانا تو ان سے توفیق سلب کرلی۔ اس کے بعد ان کے خروج پر جو مفاسد مرتب ہورہے تھے ان کا ذکر فرمایا۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا (۲) ترجمہ: اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی۔ خبال کا معنیٰ شر اور فساد ہے۔ فرمایا۔ وَلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ. ترجمہ: اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر۔

یعنی تمہارے مابین فساد اور شر کے لئے کوشش کرتے۔ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ (۳) ترجمہ: بگاڑ کروانے کی تلاش میں اور تم میں بعضے جاسوس ہیں ان کے۔

الحاصل غزوہ میں نکلنے سے جو فساد پھیل رہا تھا وہ خروج کے مصلحت سے برا تھا۔ تو حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ان کو نہ نکلنے دے۔

---

(۱) التوبۃ، ۴۶ (۲) التوبۃ، ۴۷ (۳) التوبۃ ۴۷

سوال:۔ کفر اللہ کی قضاء وقدر سے ہے اور ہم کو حکم ملا ہے کہ اللہ کی قضاء پر راضی رہیں۔ پھر یہ کیسے کفر کا انکار کرتے ہیں اور بُرا جانتے ہیں؟

جواب:۔ اللہ کی ہر قضاء پر ہمیں رضا کا حکم نہیں ملا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ ہر قضاء پر رہنا ضروری ہے بلکہ بعض مقضی پر رضا ہوگی اور بعض مقضی پر ناراضگی۔

(۲) قضاء وقدر میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے ایک قضاء اللہ، اللہ کی قضاء یہ اللہ کا فعل ہے اور اس کی ذات عالیہ کے ساتھ قائم ہے ایک مقضی، مفعول جو اللہ کی ذات سے جدا ہے ہر قضاء میں خیر، عدل اور حکمت ہے ہر قضاء پر رضا ضروری ہے۔ پھر مقضی (مفعول) کی دو قسمیں ہیں بعض پر رضا ضروری ہے بعض پر ناراضگی۔

(۳) قضاء میں دو جہتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور نسبت کے لحاظ سے اس پر رضا ضروری ہے۔ بندہ کے ساتھ تعلق اور نسبت کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں کبھی اس پر رضا ہوگی کبھی ناراضگی۔

مثال:۔ کسی کا قتل۔ اللہ کے قضاء وقدر اور مشیت کے لحاظ سے کہ مقتول کی میعاد پوری ہوگئی تو اس جہت سے ہم راضی ہیں۔ لیکن اس لحاظ سے کہ قاتل سے قتل کا صدور ہوا اور اپنے ارادہ اور اختیار سے اقدام قتل کیا اور اپنے فعل کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کی تو ہم اس کو بُرا جانتے ہیں۔

سوال:۔ جب اللہ کے ارادہ کے خلاف ہونا محال ہے تو ابوجہل وغیرہ کو مکلف بالایمان کیوں کیا؟ اس کے بارے میں ارادہ کیا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اگر بالفرض وہ ایمان لے آتا تو اللہ عیاذاً باللہ اپنے ارادہ میں ناکام ہوجاتا۔ ظاہراً ایوں معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل کفر پر مجبور تھا۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کافر کے بارے میں ارادہ کرتے ہیں کہ ایمان نہیں لائے گا تو ساتھ یہ بات بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ ایمان نہیں لائے گا۔ چنانچہ کوئی کافر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ایمان لانا چاہتا ہوں لیکن کوئی قوت اور طاقت ہے جو مجھے ایمان نہیں لانے دیتی۔ کسی کافر نے آج تک یہ محسوس نہ کیا بندہ اپنے ارادہ اور اختیار کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور

اللہ اس پر بطور خلق کفر مرتب کر دیتے ہیں۔

وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِیْ ذَالِكَ ذَرِیْعَةُ الْخُذْلَانِ. تقدیر کے بارے میں غور وخوض اور اس میں زیادہ قیل وقال خذلان کا ذریعہ ہے۔ یعنی بے یار و مددگار ہو جائے گا۔ ذریعہ، وسیلہ، درجہ اور سلّم قریب المعنیٰ ہیں۔ اسی طرح خذلان، حرمان اور طغیان قریب المعنیٰ ہیں۔ خذلان کے مقابلے میں نصرت ہے حرمان کے مقابلے میں ظفر اور کامیابی اور طغیان کے مقابلے میں استقامت ہے۔ تقدیر میں غور وخوض صحیح نہیں نہ آج تک اس گھستی کو کوئی سلجھا سکا۔ اس کے بارے میں چند باتیں ذہن میں ضرور رکھیں۔

(۱) جس طرح تقدیر اللہ نے بنائی ہے اس پر ایمان ضروری ہے اسی طرح اوامر ونواہی کا شرعی نظام بھی اللہ نے بنایا ہے اس پر عمل ضروری ہے۔ اگر تقدیر کی وجہ سے عمل چھوڑ دیا تو اس کا یہ مطلب ہوگا اللہ کا ایک حکم (تقدیر) مان رہا ہے اور دوسرا حکم (شریعت پر عمل) نہیں مان رہا ہے۔

(۲) تقدیر مخفی امر ہے کس کو اپنی تقدیر معلوم نہیں جبکہ تدبیر اور شریعت واضح اور معلوم راستہ ہے۔ جو معلوم اور واضح ہے اس پر چلنا ہوگا اور مخفی تقدیر پر ایمان وعقیدہ رکھنا ہوگا۔

(۳) عمل اور تدبیر سے قبل تقدیر پر بھروسہ غلط ہے۔ مثلاً ڈرائیور گاڑی چلانے میں تقدیر کے بھروسہ پر احتیاطی تدبیر ترک کر دے تو ایکسیڈنٹ ہوگا۔ اوّل احتیاطی تدابیر اختیار کرے اس کے بعد ایکسیڈنٹ ہو جائے تو پھر تقدیر کی طرف نسبت صحیح ہے لیکن تدبیر سے قبل تقدیر کی طرف نسبت صحیح نہیں۔

(۴) تقدیر کی وجہ سے کوئی مجبور نہیں بن جاتا ہر وقت ہر آدمی اپنے ارادہ اور اختیار کا مالک ہوتا ہے کچھ مجبور بھی ہے لیکن مکمل مجبور نہیں جس کو مجبور محض کہتے ہیں۔ اسی اختیار کی وجہ سے ہر انسان ہر اچھے اور بُرے عمل کے نتیجے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔

(۵) بُرائی کے بعد جان چھڑانے کے لئے تقدیر کی طرف نسبت غلط ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے اللہ کی طرف بُرائی کی نسبت کر دے کہ اس نے کرائی۔ اس لئے کہ تقدیر بنانے والا اللہ ہے۔ دنیا

میں کوئی کسی کو تقدیر کے حوالے پر معاف نہیں کرتا۔ تو اللہ کیسے معاف کرے گا۔ ایک آدمی نے کسی کے پھل دار درخت سے پھل چوری کیا۔ مالک نے کہا کیوں؟ چور نے کہا کہ یہ پھل میری قسمت میں تھا۔ مالک نے چور کی پٹائی شروع کی چور نے کہا یہ کیوں؟ مالک نے کہا یہ بھی تیری قسمت ہے۔

تقدیر کا علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

عقیدۃ: ٤٦ "فَهٰذَا جُمْلَةُ مَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهٗ مِنْ اَوْلِيَآءِ اللهِ تَعَالٰى ، وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ. لِاَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ، عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُوْدٌ وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُوْدٌ، فَاِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ كُفْرٌ، وَادِّعَآءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ كُفْرٌ، وَلَايَثْبُتُ الْاِيْمَانُ اِلَّا بِقَبُوْلِ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ، وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ."

ترجمہ: "پس یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کو ان اولیاء اللہ نے عملاً اور اعتقاداً قبول کیا جن کے دل نور ایمانی سے منور تھے۔ یہ مقام راسخین فی العلم کو نصیب ہوتا ہے علم دو طرح کا ہے ایک علم مخلوق میں موجود ہے اور دوسرا علم مخلوق میں ناپید ہے، موجود علم کا انکار اور مفقود علم کا دعویٰ کفر ہے، موجود علم کے قبول کرنے اور مفقود علم کے ترک کرنے سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔"

حل لغات:۔ منورٌ روشن۔ علم موجود سے مراد شریعت کے اصول اور فروع کا علم ہے جو کتاب وسنت میں موجود ہے۔ علم مفقود۔ اس سے مراد تقدیر الٰہی کا علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کائنات سے پوشیدہ رکھا ہے۔

ادّعاء۔ دعوی کرنا۔ لفظ ھٰذہ سے مضامین مذکورہ بالا کی طرف اشارہ ہے جس سے مراد شریعت ہے جس کو اعتقاداً اور عملاً تسلیم کرنا واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی چیز کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اسی طرح جو انسان علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے وہ بھی کافر ہے کیونکہ علم غیب خاصہ ہے خداوند تعالیٰ کا۔ ارشاد خداوندی ہے عٰلِمُ

الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الخ (۱) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔ مصنف رحمہ اللہ نے ھٰذہ کہہ کر اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ماقبل میں ذکر شدہ سب باتیں وہ ہیں جن کا ہر مؤمن محتاج ہے جن کے بغیر ایمان قابل قبول نہیں اولیاء اللہ اور راسخین فی العلم سب ان باتوں کے محتاج ہو کر ان کو مانتے ہیں اور جن چیزوں کو نہیں جانتے اُن کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں کیونکہ ان کی جستجو کی اجازت نہیں ہے۔

لوحِ محفوظ اور قلم پر ایمان ضروری ہے

عقیدۃ: ۴۷ "وَنُؤْمِنُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيْعِ مَا فِيْهِ قَدْ رُقِمَ- فَلَوِ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ اَنَّهٗ كَائِنٌ، لِيَجْعَلُوْهُ غَيْرَ كَائِنٍ- لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ- وَلَوِ اجْتَمَعُوْا كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ، لِيَجْعَلُوْهُ كَائِنًا- لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ- جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَمَا اَخْطَاَ الْعَبْدُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ وَمَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ."

ترجمہ: "ہم لوح وقلم اور ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو اس میں لکھ دی گئی ہیں، اگر تمام مخلوق مل کر اس کام کو روکنے کی کوشش کرے جس کا ہونا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے تو بہر صورت ہو کر رہے گا اور اگر تمام مخلوق اس کام کو سرانجام دینا چاہے جس کام کا نہ ہونا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے تو وہ ہرگز قادر نہیں ہوں گے۔ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے لکھ دیا گیا ہے اور تقدیر کا فیصلہ مٹ نہیں سکتا۔ بندہ سے ٹلنے والی چیز اسے پیش نہیں آسکتی اور پیش آنے والی چیز ٹلے گی نہیں۔"

حل لغات: رُقِمَ لکھا گیا ہے۔ جَفَّ خشک ہوا۔ اخطأ، خطا ہوا۔

---

(۱) الجن، ۲۶

تشریح:۔مصنف رحمہ اللہ اس عقیدے میں ''لوح'' اور ''قلم'' سے متعلق بحث کر رہے ہیں۔لوح سے مراد وہ تختی ہے جس پر مخلوق کی تقدیر لکھی گئی ہے جس کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ. (۱) بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتٰبِ.(۲) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔لوح محفوظ کیا ہے اسکی تفصیل اس حدیث میں موجود ہے جو طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں اس کا قلم نور ہے اسکی لکھائی نور سے کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کیلئے اس میں ہر روز تین سو ساٹھ لمحے ہیں اور اس کا عرض زمین و آسمان کے درمیان ہے اس میں ہر روز تین سو ساٹھ بار دیکھتا ہے۔ پیدا فرماتا ہے۔ رزق دیتا ہے موت وحیات بخشتا ہے۔عزت وذلت دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اس حدیث سے لوح کی حقیقت واضح ہوگئی۔اب قلم سے کیا مراد ہے تو قلم سے مراد وہ قلم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اس کے ذریعے لوح محفوظ میں تقدیریں لکھی ہیں۔قلم کے بارے میں حدیث وارد ہے۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت ہے۔فرماتے ہیں۔سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اُكْتُبْ قَالَ يَا رَبِّ وَمَاذَا اكتب؟ قَالَ اُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ . (۳) ترجمہ: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرمایا اور اس سے فرمایا لکھو اُس نے پوچھا اے رب کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت تک ہر چیز کی تقدیر لکھ دو۔اس میں اختلاف ہے کہ عرش پہلے پیدا کیا گیا ہے یا قلم۔صحیح قول یہ ہے کہ عرش قلم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

(۱) البروج، ۲۲ (۲) رعد ۳۹ (۳) ابوداؤد

''کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھیں اور فرمایا کہ اُس وقت عرش الٰہی پانی پر تھا۔'' اس حدیث سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ عرش کی پیدائش تقدیر پر مقدم ہے۔

قلم کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ قلم جس کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اُکْتُبْ'' یہ قلموں میں سب سے افضل ہے جس قلم کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ.(۱)

۲۔ وہ قلم جس سے انبیاء کرام اور رسولوں کی طرف بھیجی جانے والی وحی لکھی جاتی ہے۔

۳۔ وہ قلم جس سے بنی آدم کی تقدیر لکھی جاتی ہے اُن کے اعمال، ارزاق، مدت عمر، سعادت وشقاوت لکھی جاتی ہے۔

۴۔ جب بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے اور اُس میں روح ڈال دی جاتی ہے تو فرشتہ بحکم خداوندی اُس کا رزق، عمر، عمل اور اُسکی سعادت اور شقاوت کو لکھ دیتا ہے۔

۵۔ جب بندہ بالغ ہوجاتا ہے تو کرامًا کاتبین اُس کے اعمال لکھتے ہیں جس کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ(۲) قولہ فلو اجتمع الخلق الخ اس عبارت سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصود سابقہ عبارت کی تشریح وتحقیق ہے۔ کہ جو بات اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے وہ ہوکر رہے گی پوری کائنات اس میں ردوبدل نہیں کرسکتے اور جو بات اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کوئی اُسے واقع نہیں کرسکتا۔ اگر ایک چیز آپ کی قسمت میں نہیں ہے تو وہ آپ کو مل نہیں سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو دینا چاہے تو کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا۔ یہ وہ مضمون ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

---

(۱) القلم

(۲) الانفطار ۱۰، ۱۱، ۱۲

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضورؐ کے پیچھے سوار تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا غلام الا اعلمك كلماتٍ احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك واذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشئٍ لم ينفعوك الاّ بشئ قد كتبه الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك بشيءٍ لم يضروكِ الاّ بشئٍ قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام وجفت الصحف رواه الترمذى قال هذا حديث حسن صحيح

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بچے کیا میں تجھے چند کلمات نہ سکھلاؤں تم اللہ کے دین کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا تم اللہ کے احکام کی پابندی کرو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاؤ گے جب کسی چیز کا سوال کرنا ہو تو محض اللہ تعالیٰ سے سوال کرو جب مدد طلب کرنا ہو تو محض اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور اس بات کا پختہ یقین کرلو کہ اگر پوری امت مل کر تمہیں فائدہ پہنچانا چاہیں اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اگر پوری اُمت مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ اب تقدیر کا قلم تقدیر لکھنے سے فارغ ہو گیا ہے اور صحیفہ تقدیر خشک ہو چکا ہے یعنی اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔

کائنات کا علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے

عقیدۃ: ۴۸ "وَعَلَى الْعَبْدِ ، اَنْ يَعْلَمَ، اَنَّ اللهَ قَدْ سَبَقَ عِلْمُهٗ فِىْ كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهٖ، فَقَدَّرَ ذٰلِكَ تَقْدِيْرًا مُحْكَمًا مُبْرَمًا، لَيْسَ فِيْهِ نَاقِضٌ، وَلَامُعَقِّبٌ وَلَامُزِيْلٌ وَلَامُغَيِّرٌ وَلَانَاقِصٌ وَلَازَائِدٌ مِنْ خَلْقِهٖ فِىْ سَمَا وَاتِهٖ وَاَرْضِهٖ، وَذٰلِكَ مِنْ عَقْدِ الْاِيْمَانِ ، وَاُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ، وَالْاِعْتِرَافِ بِتَوْحِيْدِ اللهِ تَعَالٰى وَرُبُوْبِيَّتِهٖ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى فِىْ كِتَابِهٖ ﴿وَخَلَقَ

كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (۱) قَالَ تَعَالىٰ ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَقْدُورًا﴾ (۲) فَوَيْلٌ لِمَنْ صَارَ لِلّٰهِ تَعَالىٰ فِي الْقَدَرِ خَصِيمًا ، وَأَحْضَرَ لِلنَّظَرِ فِيهِ قَلْبًا سَقِيمًا، لَقَدِ الْتَمَسَ بِوَهْمِهِ فِي فَحْصِ الْغَيْبِ سِرًّا كَتِيمًا وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيهِ افَّاكًا اثِيمًا."

ترجمہ: ''بندہ کیلئے لازم ہے کہ وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جان لے کہ جو کچھ کائنات میں ہو رہا ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے متعلق مستحکم اور نہ بدلنے والا فیصلہ کیا ہوا ہے، آسمان وزمین کی مخلوقات میں سے اس فیصلے کو نہ کوئی توڑ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے فیصلوں کو رد کر سکتا ہے، اور نہ ان فیصلوں کو کوئی زائل کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کو بدل سکتا ہے۔ نہ ان میں کوئی کمی کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ان میں اضافے کی استطاعت رکھتا ہے۔ ان حقائق کو تسلیم کرنا ایمان کی پختگی، معرفت کی بنیاد، توحید باری تعالیٰ اور اس کی ربوبیت کا اعتراف ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا۔ ''اور خدا کا حکم مقدر ہو چکا تھا۔ اور خدا کا حکم مقدر ہو چکا تھا'' لہذا اس انسان کے لئے ہلاکت ہے جو تقدیر الٰہی کے مسائل میں جھگڑالو بنا اور بیمار دل کے ساتھ تقدیر کے مسائل میں غور وخوض کرنے لگا۔ وہ اپنے وہم کی بنیاد پر غیب کی بحث وتمحیص میں چھپے ہوئے رازہائے خداوندی کو تلاش کرنے لگا اس طرح وہ تقدیر کے مسائل کو بیان کرنے میں افتراء پرداز اور گہنگار ٹھہرا۔

حل لغات: مبرمًا ۔یقینی۔ خصیما جھگڑالو۔ قلبًا سقیمًا . بیمار دل. التمس ڈھونڈھا۔ فحص ،تلاش۔ سرًا کَتِیمًا، پوشیدہ راز۔ افاکًا افتراء پرواز۔

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ کا مقصود اس عبارت سے معتزلہ کی تردید ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال اُس وقت جانتے ہیں جب وہ ان افعال کو کر لیتے ہیں اور جب تک بندہ فعل نہیں کرتا اُس وقت اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہوتا کہ یہ بندہ فلاں کام کرے گا۔

---

(۱) الفرقان، ۲ (۲) الاحزاب، ۳۸

جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اُس کام کو جانتا ہے جو وہ کرتا ہے اور اس کام کو بھی جانتا ہے جو وہ آئندہ کرے گا ابھی تک کیا نہیں ہے اور اُس کام کو بھی جانتا ہے جس پر بندہ قدرت رکھتے ہوئے کرے گا نہیں جب باوجود قدرت کے وہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ازل سے کائنات کے ماکان اور مایکون کا علم ہے اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اُن کی تقدیر لکھدی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ. (۱) اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ گر جاتا ہے اُس کو بھی جانتا ہے اور جو دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہوتا ہے اور رطب اور یابس چیزیں سب لوح محفوظ میں محفوظ ہیں۔ اس عقیدہ میں معتزلہ کے ساتھ ساتھ فلاسفہ کی بھی تردید ہے فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو کلیات اور جزئیات سب کا علم کلی حاصل ہے۔

قولہ وَذَالِكَ مِنْ عَقْدِ الْإِيْمَانِ الخ مصنف رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ تقدیر پر ایمان لانا ایک بنیادی عقیدہ ہے جس طرح توحید اور رسالت پر ایمان ضروری ہے اسی طرح تقدیر پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور تقدیر کا منکر کافر ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تقدیر مبرم ۲۔ تقدیر معلق۔

۱۔ تقدیر مبرم:۔ اس سے مراد وہ تقدیر ہے جس میں کوئی تبدیلی اور ترمیم نہیں کرسکتا جو الٰہی فیصلہ ہے وہی ہو کر رہے گا۔

۲۔ تقدیر معلق:۔ یہ وہ قسم ہے جس میں شرط کے مطابق کمی وزیادتی اور تغیر وتبدیلی ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ والدین کا فرمان بردار ہے تو اُسکی عمر ساٹھ سال ہے اور

---

(۱) الانعام ۵۹

اگر نافرمان ہے تو اُسکی عمر پچاس سال ہے۔یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ (۱) میں اس قسم کی تقدیر کو اشارہ ہے۔

قولہ فَوَیْلٌ لِمَنْ صَارَ الخ

اس عبارت میں مصنف رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ مسئلہ تقدیر میں بحث ومباحثہ کرتے ہیں اور شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہیں یہ آخرت کے اعتبار سے انتہائی نقصان کی بات ہے یہ بحث ومباحثہ ایک قسم کی باطنی بیماری ہے جو ایمان کیلئے انتہائی خطرناک ہے چاہیئے کہ اس سے فوری توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور بلا چوں چراں مسئلہ تقدیر پر ایمان لائے۔

عرش اور کرسی پر ایمان

عقیدۃ: ۴۹ "وَالْعَرْشُ وَالْکُرْسِیُّ حَقٌّ."

ترجمہ: "عرشِ الٰہی اور کرسی برحق ہے۔"

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ اس عقیدے میں عرش اور کرسی کی حقانیت بیان کررہے ہیں کہ یہ دونوں حق اور سچ ہیں۔ دونوں کی علیحدہ تفصیل ضروری ہے۔لغت کے اعتبار سے عرش شاہی تخت کو کہتے ہیں جیسا کہ ملکہ سبا کے بارے میں قرآن مجید میں موجود ہے اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِھَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ. (۲) قرآن کریم میں عرش کا تذکرہ موجود ہے۔ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ. (۳) لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ. (۴) ترجمہ: اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔معلوم ہوا کہ یہ ایک تخت کا نام ہے جسکے پائے فرشتوں نے اٹھائے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا. ترجمہ: جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے اردگرد حلقہ

---

(۱) الرعد ۳۹ (۲) النمل ۳۸ (۳) البروج ۱۵ (۴) مؤمنون ۸

باندھے ہوئے ہیں وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہوئے مؤمنوں کیلئے مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔اس کے ساتھ فلاسفہ کی تردید بھی ہوگئی کہ وہ عرش کو نواں آسمان سمجھتے ہیں۔اس سے فلاسفہ کی جہالت واضح ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ عرش اُس فلک کا نام ہے جو مستدیر ہے اور سارے عالم کو ہر جہت سے محیط ہے اور اسی کا نام ''فلک اطلس'' ہے اور یہ درحقیقت نواں آسمان ہے۔لہذا نصوص شرعیہ سے بات واضح ہوگئی کہ یہ غلط خیال ہے۔

وَالْكُرْسِيُّ حق الخ کرسی کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے جو آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے فرمایا وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عرش اور کرسی دونوں ایک ہی چیز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کرسی موضع القدمین ہے اور عرش کا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہے۔سدی نے کہا کہ آسمان اور زمین عرش کے سامنے کرسی کے وسط میں ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کو فرماتے ہوئے سنا کہ کرسی عرش میں ایسی ہی ہے جیسے لوہے کا چھلا زمین کے کسی بڑے میدان میں ڈال دیا گیا ہو۔بہرحال اس کی صحیح حقیقت کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن ہم کو اتنا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ یہ دونوں حق اور سچ ہیں۔موجود ہیں اور ان کے ثبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔

عقیدۃ: ۵۰ ''وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَادُوْنَهٗ.''

ترجمہ: ''حق تعالیٰ عرش وغیرہ سے بے نیاز ہے۔''

عقیدۃ: ۵۱ ''مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ ، وَفَوْقَهٗ ، وَقَدْ أَعْجَزَ عَنِ الْإِحَاطَةِ خَلْقَهٗ.''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہیں، اور ہر چیز پر فوقیت رکھتا ہے اور اس نے مخلوق کو اپنے احاطہ سے عاجز کردیا ہے۔''

---

(۱)(البقرہ ۲۵۵)

حل لغات:۔ مستغنٍ بے پرواہ۔ مستغنی۔ مادونہ اس کے علاوہ۔ اَعْجَزَ عاجز کر رکھا ہے۔

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ اس عقیدے میں اس آیت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ. (۱) بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔ دوسری آیت میں ہے وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ. (۲) اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ تو اس عقیدے میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ عرش، کرسی اور دیگر تمام مخلوقات سے مستغنی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور خالق مخلوق سے مستغنی ہوتا ہے۔ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ یہاں تو استغنا کی بات ہے جبکہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ. (۳) جواب یہ ہے امام مالک رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ استوا معلوم ہے، لیکن اسکی کیفیت نامعلوم ہے۔ جبکہ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں۔ استواء کا ترجمہ اکثر محققین نے استقراء اور تمکن سے کیا ہے۔ گویا یہ لفظ تخت حکومت پر اس طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطہ نفوذ واقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ وتسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑی پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک تو مبدأ اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض وغایہ یعنی ملک پر پورا تسلط واقتدار اور تصرف کی قدرت حاصل ہونا ہے۔ حق تعالیٰ کے استواء علی العرش میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجہ کمال موجود ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ زمین وآسمان بشمول جمیع مخلوقات پر پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو اُن پر کامل قبضہ واقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ اور شہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک حاصل ہے یہ ہے خلاصہ استواء علی العرش کا۔

قوله: مُحِیْطٌ بِکُلِّ شَیْءٍ وَفَوْقَهٗ الخ. اس عبارت میں وہ بیان ہو رہا ہے جسکی طرف قرآن کریم

---

(۱) العنکبوت، ۶ (۲) الفاطر، ۱۵

(۳) الفرقان ۵۹

کی ان آیات میں اشارہ موجود ہے۔ اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُحِیْطٌ. (۱) یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطہ میں لیے ہوئے ہیں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَائِھِمْ مُحِیْطٌ. (۲) اور اللہ تعالیٰ ان کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہیں۔

قولہ فوقہ الخ اللہ تعالیٰ کی صفت فوقیت قرآن پاک کی اس آیت سے ثابت ہے۔ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ. (۳) اور وہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ (٤) اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو کہ اُن پر بالادست ہے اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے۔ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ. (۵)

اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہوسکتا ہے۔

عقیدۃ: ۵۲ "وَنَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰہَ اتَّخَذَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلاً وَکَلَّمَ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا، اِیْمَانًا وَتَصْدِیْقًا وَتَسْلِیْمًا."

ترجمہ: "پورے ایمان صدق دل اور تسلیم ورضاء سے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور موسیٰ علیہ السلام کو کلیم کے درجے پر فائز کیا۔"

تشریح: مصنف رحمہ اللہ کا مقصد اس عبارت میں معتزلہ، فلاسفہ اور جہمیہ کی تردید ہے۔ اُن کا خیال فاسدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان محبت کا رشتہ قائم نہیں ہوسکتا کیونکہ محب اور محبوب کے درمیان مناسبت ضروری ہے جبکہ قدیم اور حادث کے درمیان مناسبت نہیں۔ اُن کا زعم فاسد یہ ہے کہ ابراہیم اللہ کا خلیل نہیں اور موسیٰ اللہ تعالیٰ کا کلیم نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا حبیب نہیں ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اُن کی تردید کی اور فرمایا کہ ابراہیم کا خلیل اور موسیٰ کا کلیم ہونا قرآن

---

(۱) حم سجدہ، ۵۴ (۲) البروج، ۲۰
(۳) الانعام، ٦۱ (٤) النحل، ۵۰
(۵) الفاطر ۱۰

سے ثابت ہے۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا. (۱) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا. (۲) موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے باتیں کی۔ اس غلط عقیدے کی بنیاد جعد بن درھم نے رکھی جسکو امیر عراق خالد بن عبداللہ القسری نے قتل کیا۔ اس کے بعد جہم بن صفوان نے اس مذہب کو اختیار کیا جو کہ امیر خراسان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد معتزلہ نے اس عقیدے کو اپنالیا جنہوں نے مامون کے زمانے میں قوت حاصل کی اور بعد میں اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ کردیا۔

ایمانیات کا بیان

عقیدۃ: ۵۳ "وَنُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْكِتٰبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَنَشْهَدُ اَنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ."

ترجمہ: "ہم ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور رسولوں پر نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام واضح حق پر تھے۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں مصنف رحمہ اللہ ایمان کے اجزاء بتانا چاہتے ہیں۔ ایمان کے سات اجزاء ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔

۲۔ فرشتوں پر ایمان لانا۔

۳۔ رسولوں پر ایمان لانا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔

۵۔ روز آخرت پر ایمان لانا۔

---

(۱) النساء، ۱۲۵ (۲) النساء ۱۶۴

۶۔تقدیر پر ایمان لانا۔

۷۔بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔

ان ایمانیات کی طرف قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے۔ آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (۱) حدیث جبرئیل میں بھی تفصیل موجود ہے۔ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔(۲) جگہ جگہ قرآن اور حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

قولہ نُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ اِلخ. فرشتے اللہ تعالیٰ کا ایک نورانی مخلوق ہیں جو مختلف شکلوں میں تبدیل ہو سکتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. (۳) ترجمہ: فرشتے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور اُن کو جو حکم ملتا ہے وہ کرتے ہیں۔ فرشتوں کی تعداد کتنی ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ. (٤) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لشکر اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے۔

فرشتوں پر ایمان لانا فرض ہے فرشتوں سے انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کا ایک نورانی مخلوق ہے توالد اور تناسل سے پاک ہے ان میں نر اور مادہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مختلف کاموں پر مقرر ہیں۔ بعض فرشتے انسانوں کی حفاظت پر مقرر ہیں بعض فرشتے دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔

بعض لوگوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں بعض فرشتے مسلمانوں کی مدد کیلئے اترتے ہیں جبکہ بعض نافرمانوں کو عذاب دینے کیلئے نازل ہوتے ہیں جیسا کہ قوم عاد قوم ثمود وغیرہ پر عذاب دینے کیلئے آسمان سے فرشتے نازل ہوتیں۔ بعض فرشتوں کی خاص ڈیوٹیاں ہیں اور اُن کے خاص

---

(۱) البقرہ ۲۵۵ (۲) مشکوۃ ج ۱ ص ۲ (۳) التحریم ۶ (۴) المدثر ۳۱

اور مقررہ نام ہیں۔ جیسا کہ جبرئیل کا کام وحی لانا اور عزرائیلؑ کا کام روح قبض کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قولہ وَالنَّبِیِّیْنَ الخ. تمام انبیاء کو حق اور سچ سمجھنا فرض ہے۔ کسی بھی نبی کی نبوت سے انکار کفر ہے۔ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِہٖ. (۱) تمام انبیاءؑ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں چند معدود انبیاء کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور باقی کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود نہیں۔ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. (۲) ترجمہ۔ بعض کی تفصیل کی گئی ہے اور بعض کی نہیں کی گئی ہے۔

حضور ﷺ نے تمام انبیاء کرام کی ادیان کو منسوخ کر دیا ہے ہم ایمان سب پر لائیں گے سب کو حق اور سچ سمجھیں گے اتباع کریں گے حضور ﷺ کی دین کا۔ اسی طرح یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ تمام انبیاء کرام نے پیغام الٰہی صحیح اور مکمل طریقے سے لوگوں کو پہنچایا ہے اور انہوں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔ انبیاء کرام کی جماعت میں انبیاء اولوالعزم پانچ ہیں۔ ۱۔ حضرت نوحؑ ۲۔ حضرت ابراہیمؑ ۳۔ حضرت موسیٰؑ ۴۔ حضرت عیسیٰؑ ۵۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

قولہ وَالْكُتُبَ الْمُنَزَّلَہ الخ. اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے جو کتابیں اور صحیفیں آسمان سے نازل فرمائیں وہ سارے حق اور سچ ہیں۔ مجموعی تعداد ان کی ۱۰۴ ہیں۔ ان میں قرآن کریم حضرت محمدؐ پر، تورات حضرت موسیٰؑ پر انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اور زبور حضرت داودؑ پر نازل ہوا ہے۔ حضرت شیثؑ پر پچاس صحیفے، حضرت ادریسؑ پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیمؑ پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰؑ پر غرق فرعون سے پہلے دس صحیفے نازل ہوئیں اور پھر اس کے بعد توراۃ نازل ہوا۔ بعض علماء کرام کے نزدیک موسیٰؑ پر کوئی صحیفہ نازل نہیں ہوا اُن کے نزدیک یہی دس صحیفے حضرت آدمؑ پر نازل ہوئیں۔ وھب بن منبہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہی دس صحیفے بھی حضرت ابراہیمؑ پر نازل ہوئیں

---

(۱) البقرہ ۲۸۵ (۲) المؤمن ۷۸

تاہم مجموعی تعداد سو بنتا ہے۔ قرآن کریم سب سے آخری کتاب ہے ہر قسم کی تحریف اور تبدیل سے محفوظ ہے۔ پہلی تمام آسمانی کتابوں کیلئے ناسخ ہے موجودہ توراۃ، انجیل اور زبور درحقیقت آسمانی کتابیں ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں جو پائی جاتی ہے یہ اصل آسمانی کتابیں نہیں بلکہ ان کے اندر تحریف کی گئی ہے

تمام اہل قبلہ مسلمان ہیں۔

عقیدۃ: ٥٤ "وَنُسَمِّیْ اَھْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِیْنَ مُؤْمِنِیْنَ ، مَادَامُوْا بِمَا جَاءَ بِہِ النَّبِیُّ ﷺ مُعْتَرِفِیْنَ، وَلَہٗ بِکُلِّ مَاقَالَہٗ وَأَخْبَرَ مُصَدِّقِیْنَ."

ترجمہ: "ہم اہل قبلہ کو اس صورت میں مسلمان ومومن سمجھتے ہیں جب وہ ان تمام باتوں کے معترف رہیں جن کو رسول اکرم ﷺ لے کر آئے اور آپ کے تمام اقوال واخبار کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں مصنف رحمہ اللہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان ارتکاب معصیت سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک کہ وہ معصیت کو جائز اور حلال نہ سمجھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فھو المسلم لہ مالنا وعلیہ ما علینا(۱) جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے اُس کے وہ حقوق ہیں جو ہمارے ہیں اور اُس کے ذمہ وہ حقوق ہیں جو ہمارے ذمہ ہیں۔

اہل قبلہ کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کرتے ہوں کسی ایک امر ضروری کا انکار نہیں کرتا اگر کسی ایک امر ضروری کا انکار کرتا ہے تو وہ اہل قبلہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اُس

---

(۱) مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳

مؤل کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا جسکی تاویل سے قطعیات امور مسلمہ فی الدین پر اثر نہ پڑتا ہو اگر ایک مؤول تاویل کرتے ہوئے قطعیات کا انکار کردے تو ایسی تاویل اس کو کفر سے نہیں بچا سکے گی۔

دین میں جھگڑے مناسب نہیں

عقیدۃ: ۵۵ "وَلَانَخُوْضُ فِی اللهِ، وَلَانُمَارِیْ فِیْ دِیْنِ اللهِ."

ترجمہ: "ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت کے بارے میں غور وخوض نہیں کرتے، اور نہ ہی اللہ کے دین میں جھگڑتے ہیں۔"

حل لغات: خَاضَ یَخُوْضُ خَوْضًا ۔غور وخوض کرنا۔ مراء۔جھگڑے کرنا۔

تشریح: اس عقیدے میں مصنف رحمہ اللہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے غور وخوض نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اس موضوع پر ہم گفتگو کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الوراء ہے۔قرآن کریم میں اُن لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے فرمایا وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِی اللهِ (۱) اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ بلکہ چاہیے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرے اور اُن میں غور وفکر کرے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے لاینبغی لاحدٍ ان ینطق فی ذات اللہ بشیءٍ بل یصفہ بما وصف بہ نفسہ .

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت کے بارے میں گفتگو کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کو صرف اُن اوصاف سے یاد کرے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ذکر فرمایا ہے۔خالق رازق اور رحمٰن وغیرہ۔

قرآن کلام الٰہی ہے غیر مخلوق ہے

عقیدۃ: ۵۶ "وَلَانُجَادِلُ فِی الْقُرْاٰنِ ، وَنَشْهَدُ اَنَّهٗ كَلَامُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوْحِ

---

(۱) الرعد ۱۳

الْاَمِيْنِ ، فَعَلَّمَهُ سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدًا ﷺ وَهُوَ كَلَامُ اللهِ تَعَالٰى لَايُسَاوِيْهِ شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ، وَلَانَقُوْلُ بِخَلْقِهٖ وَلَانُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ."

ترجمہ: ''ہم قرآن کے بارے میں جھگڑا نہیں کرتے بلکہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ پروردگار عالم کا کلام ہے۔ جبرئیل علیہ السلام اسے لے کر نازل ہوئے اور سید المرسلین ﷺ کو یہ کلام سکھلایا، بلاشبہ یہ کلام الٰہی ہے۔ مخلوق کا کوئی کلام اس کے مساوی نہیں، اور نہ ہی ہم کلام الٰہی کو مخلوق کہتے ہیں ہم کسی بھی مسئلہ میں مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت نہیں کرتے۔

تشریح: اس عقیدے میں مصنف رحمہ اللہ چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

کہ ہم اُن لوگوں کی طرح نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيَاتِ اللهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ اَتَاهُمْ. (۱) ترجمہ جو جھگڑتے ہیں اللہ کی آیات میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو اُن کو۔

مجادلہ فی القرآن کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس طرح معتزلہ نے قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا کھڑا کیا اور فتنہ فسادات برپا کیے ہم اہل سنت والجماعت اس کے قائل بھی نہیں اور نہ ہی عملی طور پر ایسا کریں گے دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کی اُن قراءت میں نہیں جھگڑتے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں بلکہ قراءت ثابتہ کے ساتھ اس کو پڑھتے ہیں جن میں سات قراءت بطریق تواتر ثابت ہیں یہ دونوں احتمالات لیے جاسکتے ہیں۔

۲۔ نَشْهَدُ اَنَّهٗ كَلَامُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کتاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق نکلی ہوئی باتیں ہیں اور یہ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

۳۔ حضرت جبرئیلؑ اس قرآن کو لے کر نازل ہوئے ہیں۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ

---

(۱) المؤمن ۳۵

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (۱) دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. (۲)

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیلؑ نے تعلیم دی۔ اس میں فرقہ قرامطہ کی تردید مقصود ہے جن کا خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور الہام قرآن کا تصور کر لیا تھا۔

۵۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے قدیم ہے حادث نہیں۔ قدیم اور حادث کیلئے مخلوق اور غیر مخلوق کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ معتزلہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کی قربانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس فرقے کی جڑیں کاٹ دیں۔

۶۔ وَلَانُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ. یعنی ہم مسلمانوں کے متفقہ مسائل میں ان سے اختلاف نہیں کرتے کیونکہ مسلمانوں کی جماعت سے مخالفت ضلالت اور بدعت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

گناہ کبیرہ کا ارتکاب انسان کو ایمان سے نہیں نکالتا۔

عقیدۃ: ۵۷ "وَلَانُكَفِّرُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ، مَالَمْ يَسْتَحِلَّهٗ."

ترجمہ: "ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی بناء پر کافر قرار نہیں دیتے تاوقتیکہ وہ اس گناہ کو اعتقادی اعتبار سے جائز اور حلال نہ سمجھنے لگے۔"

تشریح:۔ اس عبارت سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصود معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے۔ ان دونوں کے نزدیک گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مسلمان ایمان سے نکلتا ہے۔ البتہ خوارج کے نزدیک کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور معتزلہ کے نزدیک کفر میں داخل نہیں بلکہ منزلہ بین المنزلتین میں ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اس سلسلے میں افراط اور تفریط سے پاک ہے۔ اس مسئلے میں جانبین کے دلائل تفصیل کے ساتھ شرح العقائد میں موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں تاہم اگر ایک انسان گناہ

---

(۱) الشعراء ۱۹۳-۱۹۴ (۲) القیامۃ ۱۶-۱۷

کوحلال اور جائز سمجھتا ہے تو حرام کوحلال سمجھنے سے انسان ایمان سے نکلتا ہے۔

مسلمان کو گناہ نقصان دیتا ہے۔

عقیدۃ:۵۸ ''وَلَانَقُوْلُ: لَایَضُرُّ مَعَ الْاِیْمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهٗ.''

ترجمہ: ''اور نہ ہی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کے مرتکب کو گناہ کوئی نقصان نہیں دیتا۔''

تشریح:۔اس عقیدے میں مرجئہ کی تردید مقصود ہے۔مرجئہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کا کوئی نقصان نہیں ہے یعنی آوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب کرنا ضروری نہیں ہے گویا مرجئہ کا مذہب خوارج اور معتزلہ کے بالکل ضد ہے۔جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک گناہ کے ارتکاب سے انسان فاسق اور فاجر بن جاتا ہے اور فسق وفجور کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوتا ہے۔یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف کردے۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی

عقیدۃ:۵۹ ''نَرْجُوْ لِلْمُحْسِنِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یَعْفُوَ عَنْهُمْ وَیُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ وَلَانَأْمَنُ عَلَیْهِمْ، وَلَانَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ، وَنَسْتَغْفِرُ لِمُسِیْئِهِمْ وَنَخَافُ عَلَیْهِمْ، وَلَانُقَنِّطُهُمْ.''

ترجمہ: ''ہم مؤمنین میں سے مخلصین کے متعلق امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا اور انہیں اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا۔لیکن ہمیں ان کے بارے میں مکمل اطمینان نہیں لہٰذا جنت میں یقینی داخلے کی ہم گواہی نہیں دیتے۔ہم گناہ گاروں کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں ہمیں ان کے متعلق ڈر ہے لیکن ہم انہیں مایوس نہیں کرتے۔

حل لغات:۔لَانُقَنِّطُهُمْ . ہم اُن کو مایوس نہیں کرتے. مُسِیٓ، گناہ گار۔لَانَأْمَنُ عَلَیْهِمْ ہمیں اُن پر اطمینان نہیں۔

تشریح:۔اس عقیدے میں مصنف رحمہ اللہ بیان کرنا چاہتے ہیں جو شخص ایمان لائے اور اعمال صالحہ

کرے اُس کے بارے میں مغفرت کی امید رکھنا چاہیئے ہم کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنتی ہے اور نہ کسی کے بارے میں جہنمی ہونے کا یقین کر سکتے ہیں۔ جن صحابہ کرام کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت سنائی ہے اُن کے بارے میں تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں باقی کسی کے بارے میں جنتی یا جہنمی ہونے کا یقین نہیں کر سکتے۔ جو گناہ گار ہیں ہم اُس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کریں گے ہو سکے دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُسکی تمام گناہوں کو معاف کر دے اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی نہیں کریں گے۔ تقریباً ان باتوں کی طرف قرآن پاک کی ان آیات میں اشارہ موجود ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا. (۱)

ترجمہ: یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ تقرب تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں خدا کا زیادہ مقرب ہوتا ہے اور اسکی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں بے شک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲)

ترجمہ: اور بعض لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک نیک کام اور دوسرا بد۔ قریب ہے کہ اللہ معاف کر دے اُن کو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی عذاب سے بے خوف بھی نہیں ہونا چاہیئے چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ. (۳) کیا وہ بے خوف ہو گئے اللہ تعالیٰ کی داؤ سے سو بے خوف نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ کی داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔ اس طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) بنی اسرائیل، ۵۷ (۲) التوبۃ ۱۰۲ (۳) الاعراف ۹۹

رحمت اور مہربانی سے بھی ناامید نہیں ہونا چاہیئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کردیتا ہے وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لَاتَيْأَسُوْا مِنْ رَوْحِ اللهِ اِنَّهٗ لَايَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۲) اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامید اور مایوس نہ ہو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے ناامیدی اور بے خوفی کفر ہے

عقیدۃ: ۶۰ "وَالْاَمْنُ وَالْاِيَاسُ يَنْقُلَانِ عَنْ مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَسَبِيْلِ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِاَهْلِ الْقِبْلَةِ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا آدمی کو ملت اسلام سے خارج کردیتا ہے۔ اہل قبلہ کیلئے حق کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔" تشریح:۔ اس عقیدے میں وہ بات بیان ہورہی ہے جسکی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَآءِ. یعنی ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے۔ زندگی میں خوف غالب ہو جبکہ موت کے وقت امید غالب ہو اس عقیدے کی طرف اس قرآنی آیت میں اشارہ ہے۔ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (۳) وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اُسکی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اُس کے عذاب سے۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا. (٤) جدا رہتی ہیں اُن کی کروٹیں اپنے بستروں سے پکارتے ہیں وہ اپنے رب کو ڈر اور لالچ سے۔

---

(۱) الزمر ۵۳ (۲) یوسف ۸۷ (۳) بنی اسرائیل ۵۷ (۴) السجدہ ۱۶

خلاصہ کلام یہ کہ آدمی نہ تو عذاب الٰہی سے بے خوف ہو کر زندگی گزارے اور نہ رحمت الٰہی سے مایوس ہو کر زندگی گزارے۔ عذاب الٰہی سے ڈرتے ہوئے اور نافرمانیوں سے مکمل اجتناب کرتا رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَائِمًا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ. (۱)

ایمان سے خارج ہونے کا بیان

عقیدۃ: ۶۱ "وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْاِيْمَانِ اِلَّا بِجُحُوْدِ مَا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ فِيْهِ."

ترجمہ: "بندۂ مومن دائرہ ایمان سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا جب تک ان حقائق سے انکار نہ کردے جن کی بناء پر وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں خوارج اور معتزلہ کی تردید مقصود ہے جسکی تفصیل گزشتہ صفحات میں موجود ہے۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہے۔ البتہ خوارج کے نزدیک کفر میں داخل اور معتزلہ کے نزدیک کفر اور ایمان کے درمیان ہے۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک جب تک ضروریات دین میں سے کسی چیز سے انکار نہ کیا جائے تو کوئی بندہ ایمان سے نکلتا نہیں ہے۔ خوارج کا مذہب تو باطل ہی ہے جہاں تک معتزلہ کے مذہب کا تعلق ہے تو وہ بھی باطل اور غلط ہے کیونکہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ آدمی یا کافر ہوگا یا مسلمان ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک انسان نہ کافر ہو اور نہ مسلمان۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا. (۲)

ترجمہ: جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور

---

(۱) الزمر ۹ (۲) النساء ۱۵۰

اُس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعض کو اور نہیں مانتے بعض کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ۔

علامہ بشیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لیے نکالیں ایسے ہی لوگ اصل اور ٹھیٹ کافر ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ اور منزلہ نہیں ہے۔

ایمان کس کا نام ہے

عقیدۃ: ۶۲ "وَالْإِيمَانُ :هُوَ الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ ، وَالتَّصْدِيقُ بِالْجَنَانِ. "

ترجمہ: "ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا نام ہے۔"

تشریح:۔علامہ نسفی رحمہ اللہ ایمان کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اَلْإِيمَانُ هُوَ التَّصْدِيقُ لُغَةً ۔ایمان لغت کے اعتبار سے تصدیق کو کہتے ہیں۔جمہور علماء کا کہنا ہے کہ لغت کے اعتبار سے ایمان امن سے ماخوذ ہے جو خوف کی ضد ہے اَمِنَ مجرد میں "سمع" سے لازمی معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی بے خوف ہونا اور افعال سے متعدی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔یعنی دوسروں کو بے خوف بنانا پھر باب افعال میں متعدی بیک مفعول اور متعدی بدو مفعول دونوں طرح مستعمل ہے۔علامہ نسفی کا لیا ہوا معنی جمہور کے لیے ہوئے معنی کو قریب ہے کہ جب کسی شخص کی تصدیق کی جاتی ہے تو اُس کو تکذیب سے مامون اور بے خوف بنا دیا جاتا ہے۔

ایمان کے اصطلاحی معنی:۔ اَلْإِيمَانُ فِي الْإِصْطِلَاحِ هُوَ التَّصْدِيقُ ما علم بداهةً مجيء الرسول به تفصيلاً في ما علم تفصيلاً و اجمالاً فيما علم اجمالاً. مطلب یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی تصدیق تفصیلاً کرنا ضروری ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لے کر آنا تفصیلی طور پر تواتر سے معلوم ہوا ہو اور جو چیزیں اجمالی طور پر معلوم ہوئی ہیں اُن کیلئے تصدیق اجمالی کافی ہے۔

اس سلسلے میں پانچ مذاہب ہیں۔

۱۔فخر الاسلام بزدوی، امام سرخسی اور اکثر احناف ان کے نزدیک ایمان شرعی کے دو رکن ہیں:۔

۱۔تصدیق قلبی: حضور ﷺ سے جو باتیں قطعی طور پر ثابت ہیں اجمالی طور پر اُن کو دل و جان سے سچ جاننا اور ماننا دوسرا رکن یہ ہے کہ زبان سے ان کا اقرار کیا جائے دوسرا رکن کبھی حالت اکراہ میں ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ.(۱)

۲۔جمہور محققین: ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے لیکن تصدیق قلبی ایک باطنی امر ہے ایسے شخص پر اسلامی احکام کے اجراء کیلئے کوئی ظاہری علامت ضروری ہے جس سے پتہ چلے کہ واقعی دل کے اندر تصدیق موجود ہے یہ علامت زبانی اقرار ہے تصدیق قلبی کے ساتھ اگر زبانی اقرار نہ کرے تو عنداللہ مؤمن ہوگا لیکن لوگوں کے نزدیک مؤمن نہیں۔

۳۔کرامیہ: ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے دلیل یہ ہے کہ اہل لغت تصدیق باللسان کو ایمان سمجھتے ہیں دوسری دلیل یہ ہے کہ عہد رسالت میں جو کوئی کلمہ شہادت پڑھ لیتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اُس سے دلی تصدیق کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے۔

۴۔جمہور محدثین اور معتزلہ وخوارج:۔اُن کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی، زبانی اقرار اور عمل بالارکان کے مجموعے کا نام ہے فرق یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج اعمال کو ایمان کا جز حقیقی سمجھتے ہیں جس کے ترک سے بندہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک اعمال ایمان کامل کا جزء ہے جس کے ترک سے بندہ کامل مؤمن نہیں رہتا نفس ایمان پر اثر نہیں پڑتا ہے۔

۵۔قدریہ: ان کے نزدیک ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔اس مذہب کے بطلان پر علماء کا اتفاق ہے اہل کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ.(۲) اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں کی طرح جانتے تھے لیکن پھر بھی کافر تھے کیونکہ اُن میں

---

(۱) النحل ۱۰۶ (۲) الانعام ۲۰

تصدیق نہیں تھی اگر نفس معرفت ایمان کیلئے کافی ہوتا تو اہل کتاب کو مؤمن ہونا چاہیئے تھا لیکن پھر کافر تھے معلوم ہوا کہ نفس معرفت ایمان نہیں ہوسکتا۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل حجت ہے

عقیدۃ: ۶۳ "وَجَمِيْعُ مَا صَحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ كُلُّهُ حَقٌّ."

ترجمہ: "جو کچھ شرع اور بیان رسول اللہ ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے وہ سب حق ہے۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں امام طحاویؒ رحمہ اللہ معتزلہ، روافض، معطلہ اور جہمیہ پر رد کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث مفید یقین نہیں ہے۔ تو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حدیث مفید یقین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دو طرح کے ہیں۔

۱۔ جن میں احکام جدیدہ کو مشروع فرمایا گیا ہو جو قرآن میں مذکور نہیں۔

۲۔ جن میں احکام قرآن کی وضاحت اور تفسیر فرمائی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے من الشرع والبیان کہہ کر دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (۱) جس چیز کا رسول تم کو حکم دے اُس کو اختیار کرو اور جس چیز سے منع فرمائیں اُس سے رک جاؤ جبکہ معتزلہ اور روافض کا کہنا ہے کہ خبر کی دو قسمیں ہیں ۔۱۔ خبر متواتر ۲۔ خبر واحد۔ خبر متواتر اگرچہ سند اور ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہے لیکن دلالت کے اعتبار سے غیر قطعی ہے کیونکہ لفظی دلالت یقین کا فایدہ نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ جو آیات اللہ تعالیٰ کی صفات پر دال ہیں اُن میں عیوب نکالتے ہیں اور خبر واحد اُن کے نزدیک مفید علم نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خبر واحد کی سند اور متن سے استدلال اور حجت پکڑنا صحیح نہیں۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ متواتر تو علم یقینی کو مفید ہے اور خبر واحد جب امت میں تلقی بالقبول کے درجہ

---

(۱) الحشر۔۷

تک پہنچ جائے تو وہ بھی متواتر ہی کی ایک قسم سمجھی جاتی ہے اور بلا کسی اختلاف کے علم یقینی کو مفید ہے تو علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی طور پر جو شریعت بیان کی یا کتاب اللہ کی شرح میں جو کچھ بیان فرمایا سب برحق اور واجب الاتباع ہے خلاصہ کلام یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، بیان اور تشریح ساری امت کیلئے حجت ہے ان کی اطاعت واجب اور لازم ہے۔

اہل ایمان میں کوئی تفاوت نہیں

عقیدۃ: ٦٤ "وَالْإِيْمَانُ وَاحِدٌ. وَاَهْلُهُ فِيْ اَصْلِهٖ سَوَآءٌ، وَالتَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْخَشْيَةِ وَالتُّقٰى، وَمُخَالِفَةِ الْهَوٰى. وَمُلَازَمَةِ الْاَوْلٰى."

ترجمہ: "ایمان ایک وحدت ہے اور اہل ایمان اس کی بنیاد میں برابر ہیں لیکن ایک دوسرے پر فضیلت خشیت الٰہی، تقویٰ، خواہشات نفسانی کی مخالفت، اور افضل حکم پر مواظبت کے ساتھ عمل کرنے کی بنیاد پر نصیب ہوتی ہے۔"

تشریح:۔ تمام مومنین نفس ایمان میں سب برابر ہیں جو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ضروریات دین کو تسلیم کرے وہ مسلمان ہے۔ اس اعتبار سے سب مسلمان برابر ہیں جیسے ہر انسان کی حقیقت حیوان ناطق ہے جس میں سب انسان برابر ہیں ایک دوسرے پر فضیلت دیگر عوارض کی وجہ سے ہے اسی طرح نفس ایمان میں سب مؤمن شریک ہیں لیکن تقویٰ، اخلاص اور عمل کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت ہے یہ باعث فضیلت اشیاء اصل ایمان کے اندر داخل نہیں ہیں۔ محققین کے نزدیک ایمان قوت اور ضعف کو قبول کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ عام مسلمانوں کا ایمان اور تصدیق انبیاء کرام اور تصدیق جیسا نہیں ہے۔ جو خشیت اور تقویٰ انبیاء کرام میں موجود ہیں وہ غیر نبی میں نہیں ہے جبکہ احناف کے نزدیک ضعف اور قوت قبول نہیں کرتا۔ جن نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال

کی وجہ سے ایمان کے اثرات اور ثمرات کی روشنی بڑھتی رہتی ہے نفس ایمان نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔ بے عملی کی وجہ سے ایمان کی قوت کمزور ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے نافرمانیوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ گناہوں سے بچنے کیلئے مضبوط اور قوی ایمان کی ضرورت ہوتی ہے گویا ان حضرات کے نزدیک ایمان کمی اور زیادتی قبول نہیں کرتا بلکہ اعمال کمی اور زیادتی قبول کرتے ہیں جسکی وجہ سے فرق مراتب ہے۔

ولی کون ہے

عقیدۃ: ۶۵ "وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ اَوْلِيَآءُ الرَّحْمٰنِ وَاَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ – اَطْوَعُهُمْ وَاَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ."

ترجمہ: "تمام مؤمن اولیاء الرحمٰن (اللہ کے دوست) ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو (اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا) زیادہ فرمان بردار اور قرآن مجید کا تابع ہو۔"

تشریح:۔ ولی ولایت بفتح الباء عداوت کی ضد ہے بعض کے نزدیک وِلایۃ بالکسر بھی ایک لغت ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ولایۃ بالفتح کے معنیٰ نصرت کے ہیں اور بکسر الواو کے معنیٰ امارت کے ہیں۔ اولیاء جمع ہے ولی کی۔ اس کے لغوی معنیٰ دوست کے ہیں۔

ولی کی اصطلاحی تعریف قرآنِ کریم میں موجود ہے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. (۱)

ترجمہ: خبردار جو خدا کے دوست ہیں اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے یعنی وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولی وہ مؤمن بندہ ہے جو کثرت کے ساتھ عبادت الٰہی کرتا ہے ہر قسم

---

(۱) یونس ۶۲-۶۳

کی نافرمانی سے دور رہتا ہے۔

ولی کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر عائض القرنی لکھتے ہیں

''ولیوں کی صفات میں یہ ہے کہ وہ شوق سے آذان کا انتظار کرتے ہیں تکبیر تحریمہ پر دوڑ پڑتے ہیں۔ پہلی صف میں جگہ پالینے کیلئے بے تاب رہتے ہیں۔ حلقہ ذکر میں ہمیشہ بیٹھتے ہیں۔ سلامتی صدر، سنت کے احترام، کثرت ذکر، اکل حلال، لایعنی باتوں سے گریز، بقدر کفاف پر رضامندی اور کتاب وسنت کی تعلیمات سیکھنا اُن کی عادتیں ہوتی ہیں۔ اُن کا چہرہ کھلا رہتا ہے وہ مسلمانوں کے مصائب پر تڑپتے ہیں۔ اختلافی باتوں میں نہیں پڑتے شدائد پر صبر کرتے ہیں معروف کا حکم دیتے ہیں''(۱)

یہ وہ صفات ہیں جو ایک ولی کے اندر موجود ہونا ضروری ہے۔

بہر حال مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مؤمن سارے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اور جو جتنا قرآن اور حدیث کی زندگی اپنایا ہوا ہے اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا مقام ہے۔ کالا ہونا یا سفید ہونا، عربی ہونا یا عجمی ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت اور قرب کا معیار نہیں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. (۲) جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ قریب ہے۔

ایمانیات کا بیان

عقیدۃ: ٦٦ ''وَالْاِیْمَانُ ھُوَ الْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ وَحُلْوِہٖ وَمُرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی.''

ترجمہ: ''ایمان اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب سماویہ، رسول، یوم آخرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر کے خیر وشر اور موافق ومخالف ہونے پر تہہ دل سے یقین کا نام ہے۔''

---

(۱) غم نہ کریں ص ۳۵۷ (۲) الحجرات۔ ۱۳

حل لغات: حُلُوَ بیٹھا۔ مُر کھڑوا۔

تشریح:۔ ایمان سے متعلق ضروری اور اہم باتوں کا تذکرہ عقیدہ ۵۳ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ یہاں پر دوبارہ اصول دین اور ضروریات دین کو ایک ساتھ ذکر فرمایا۔ ان باتوں کا تذکرہ دیگر احادیث کے علاوہ حدیث جبریل میں موجود ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریلؑ نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ آپ ایمان لائیں اللہ تعالیٰ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کے رسولوں پر، اُسکی کتابوں پر اور یوم آخرت پر اور یہ کہ تو ایمان لائے ہر اچھی اور بری تقدیر پر، ان میں سے ہر ایک کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اتنی بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اس قلبی ایمان کے ساتھ زبانی اقرار اور اعمال بدنی ضروری ہے اور ساتھ جحود اور ضروریات دین سے انکار بھی نہ ہو اور نہ کوئی ایسا عمل ہو جو تکذیب کی علامت سمجھا جاتا ہو مثلاً زنارؔ باندھنا اور بت کے سامنے سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اصولی طور پر تمام انبیاء کا دین ایک ہے

عقیدۃ: ۶۷ "وَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِذٰلِكَ كُلِّهٖ، لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِهٖ وَنُصَدِّقُهُمْ ، كُلَّهُمْ عَلٰى مَاجَآؤُوْا بِهٖ."

ترجمہ: "ہم مذکورہ تمام حقائق پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور جو وہ پیغام لائے تھے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔"

تشریح:۔ ذالک سے اُن تمام گزشتہ باتوں کی طرف اشارہ ہے جن کا تذکرہ مذکورہ عقائد میں گزر گیا۔ اس عقیدے میں یہ بات بیان ہو رہی ہے۔ کہ ہم ایسا نہیں کرتے کہ بعض انبیاء کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے بلکہ سب کو برحق مانتے ہیں اور سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے۔ اس مضمون کی طرف سورہ بقرہ میں اشارہ ہے۔ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

مِنْ رُسُلِهٖ.(۱) ۔ترجمہ: ہم فرق نہیں کرتے کسی کی اس کی پیغمبروں میں سے اور اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب انبیاء کرام کی جماعت ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں تو ہم کیسے ان میں تفریق کریں گے تمام انبیاء کرام ایک سنہری زنجیر کی سنہری کڑیاں ہیں ایک کڑی نکل گئی یا ٹوٹ گئی تو زنجیر بے کار اور بے فایدہ ہو جائے گا۔تمام انبیاء کرام کا کام اللہ کی طرف بلانا تھا گویا سب کا کام ہی ایک تھا اس لیے ایک نبی کے انکار سے اُسکی دعوت الی اللہ کا انکار لازم آتا ہے اور نبی کی دعوت الی اللہ کا انکار کفر ہے۔

اہل کبائر مخلد فی النار نہیں ہوں گے

عقیدۃ:۶۸" وَأَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فِي النَّارِ لَايُخَلَّدُوْنَ إِذَا مَاتُوْا وَهُمْ مُوَحِّدُوْنَ، وَإِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا تَائِبِيْنَ بَعْدَ أَنْ لَقُوا اللهَ عَارِفِيْنَ مُؤْمِنِيْنَ وَهُمْ فِيْ مَشِيَّتِهٖ وَحُكْمِهٖ إِنْ شَآءَ غَفَرَ عَنْهُمْ بِفَضْلِهٖ ، كَمَا ذَكَرَ عَزَّوَجَلَّ فِيْ كِتَابِهٖ﴿وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ﴾(۲) وَإِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِعَدْلِهٖ، ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهٖ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِيْنَ مِنْ أَهْلِ طَاعَتِهٖ، ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ إِلَى جَنَّتِهٖ ، وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ تَعَالٰى تَوَلّٰى أَهْلَ مَعْرِفَتِهٖ، وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي الدَّارَيْنِ كَأَهْلِ نكرته، الَّذِيْنَ خَابُوْا مِنْ هِدَايَتِهٖ، وَلَمْ يَنَالُوْا مِنْ وِلَايَتِهٖ، اَللّٰهُمَّ يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهٖ ،ثَبِّتْنَا عَلَى الْإِسْلَامِ حَتّٰى نَلْقَاكَ بِهٖ."

ترجمہ:"حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے کبیرہ گناہ کے ارتکاب کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔لیکن وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے ۔ بشرطیکہ موت کے وقت توحید کے قائل ہوں اگرچہ کبیرہ گناہوں سے توبہ نہ کی ہو لیکن اللہ سے جب ملے ہوں عارف اور مؤمن ہونے کی حالت میں ملے ہوں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم کے تحت ہوں گے۔اگر وہ چاہے تو ان کو بخش

---

(۱)البقرہ ۲۸۵ (۲)النساء ۱۱۶

دے اور انہیں اپنے فضل وکرم سے معاف کردے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تذکرہ فرمایا: ''(شرک) کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کردے۔ اور اگر وہ چاہے تو انہیں جہنم میں اپنے عدل وانصاف کے مطابق سزا دے، پھر انہیں اس سے اپنی رحمت اور اپنے فرمانبردار بندوں کی سفارش کی بناء پر نکال دے اور انہیں دنیا وآخرت میں منکرین کے برابر قرار نہیں دیا جو ہدایت الٰہی سے محروم رہے اور اس کی دوستی کو نہ پاسکے۔ اے اللہ! اے اسلام اور اہل اسلام کے دوست! ہمیں اسلام پر ثابت قدم رکھ حتیٰ کہ تجھ سے اسی حالت پر آملیں۔''

حل لغات: تولّی، دوست بنایا۔ اهل نكرة، غیر عارفین۔ خابوا، محروم ہوئے۔ لم ینالوا نہیں پایا۔

تشریح:۔ اس عقیدے میں مصنف رحمہ اللہ معتزلہ اور خوارج کی تردید کرنا چاہتے ہیں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ اگر چہ مؤحد ہو مخلد فی النار ہوگا جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں بلکہ اپنی گناہوں کا سزا پاکر یا آخر جہنم سے نکالا جائے گا قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرِكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ. (۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں بخشتا اُس کو جو اُس کے ساتھ شریک بنائے اور بخشتا ہے اس کے سوا جسکو چاہے۔

گناہ کبیرہ کی تعریف:۔

۱۔ وہ گناہ جسکی حرمت پر تمام شرائع کا اتفاق ہو۔

۲۔ وہ گناہ جسکی وجہ سے معرفت الٰہی کا دروازہ بند ہو جائے۔

۳۔ وہ گناہ جس سے جانی اور مالی نقصان ہو۔

۴۔ ہر وہ گناہ جس سے دوسرا چھوٹا گناہ ہو وہ صغیرہ گناہ ہے۔

۵۔ کبیرہ گناہ کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں مخفی رکھا ہے۔

(۱)النساء۱۱۶

۶۔ ہر وہ گناہ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو۔

۷۔ وہ گناہ جس پر قرآن اور حدیث میں وعید آیا ہو یا لعنت کی گئی ہو یا جس گناہ کے مرتکب کو قرآن اور حدیث میں فاسق اور فاجر قرار دیا گیا ہو۔

۸۔ وہ گناہ جو وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت نہ رکھتا ہو بلکہ خود بالذات مقصود ہو۔

۹۔ لَاصَغِيْرَةَ مَعَ الْاِصْرَارِ وَلَاكَبِيْرَةَ مَعَ الْاِسْتِغْفَارِ.

ایک گناہ جب انسان بار بار کرتا ہے وہ گناہ اگرچہ چھوٹا ہے از خود کبیرہ بن جاتا ہے اور ایک گناہ اگرچہ کبیرہ ہے لیکن جب انسان توبہ اور استغفار کرتا ہے تو وہ کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔ صغیرہ کی تعریف: ۱۔ وہ گناہ جس پر دنیا میں حد نہ ہو اور آخرت میں وعید نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔ وعید سے مراد آگ، لعنت اور عذاب ہے۔

گناہوں کیلئے چار الفاظ مستعمل ہیں۔ ۱۔ ذنب ۲۔ خطیئۃ، ۳۔ سیئۃ، ۴۔ معصیہ۔ ان چاروں میں سے پہلے تین کا استعمال صغایر کیلئے اور آخری لفظ کا استعمال کبیرہ کیلئے ہے۔ یہ عمومی اوقات کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض اوقات ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں صغایر اللہ تعالیٰ خود بغیر توبہ کے معاف کر دیتے ہیں۔ نیک اور صالح اعمال کی وجہ سے بھی صغایر معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ .(۱) ترجمہ: بے شک نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

کبایر کی تعداد کتنی ہیں۔ بعض نے تین، بعض نے سات، بعض نے دس اور بعض نے سترہ بتائے ہیں۔ علامہ شمس الدین ذھبی رحمہ اللہ نے کتاب الکبایر میں کبایر کی تعداد ستر بتائی ہے جن میں سرفہرست اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانا ہے اور سب سے آخری نمبر پر صحابہ میں سے کسی کو سب وشتم کرنا ہے۔

قولہ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ اس قید سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے

(۱) ھود ۱۱۴

کہ مرتکب کبیرہ کی مغفرت اور مخلد فی النار نہ ہونا یہ صرف امت محمدی کی خصوصیت ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے۔ اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں وارد ہے یخرج من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان. اس حدیث میں صرف ایمان کا ذکر ہے امت محمدی کے ساتھ تخصیص کا کوئی ذکر نہیں ہے جبکہ بعض نسخوں میں لفظ امت مذکور بھی نہیں ہے۔

قوله بَعْدَ اَنْ لَقُوا اللهَ عَارِفِيْنَ الخ مصنف رحمہ اللہ نے لفظ عارفین استعمال کیا ہے عارفین کے بجائے مومنین کا لفظ اگر استعمال کرتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور مانتے نہیں وہ کافر ہیں شیطان عارف ہے لیکن سب سے بڑا کافر ہے کفار کے بارے میں فرمان الٰہی ہے۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ. (۱) ۔جس کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسا کہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔

قوله وَهُمْ فِي مَشِيَّةِ اللهِ وَحُكْمِهٖ الخ

گناہ کبیرہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے جس کو چاہے مغفرت کردے اور جس کو چاہے عذاب دے جسکی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. اگر انسان نے کبیرہ کا ارتکاب کرکے توبہ نکالا تو یقینی طور پر گناہ کبیرہ معاف ہوجاتا ہے۔

قوله يَا وَلِيَّ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ الخ. یہاں پر ثبتنا کا لفظ وارد ہے جبکہ بعض نسخوں میں مسکنا علی الاسلام ہے۔ ایک مسنون دعا میں وارد ہے يَا وَلِيَّ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ مَسِّكْنِيْ بِالْاِسْلَامِ حَتّٰى اَلْقَاكَ عَلَيْهِ.

مصنف رحمہ اللہ نے اس عبارت میں اشارہ کیا ہے کہ اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی ضروری ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز ہے کسی بھی وقت اس سے غفلت مناسب نہیں کیونکہ کسی بھی وقت انسان پھسل کر گمراہ ہوسکتا ہے۔

(۱)البقرہ۱۴۶

فاسق اور فاجر کی اقتداء میں نماز جائز ہے

عقیدۃ: ۶۹" وَنَرَى الصَّلاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ، وَعَلَىٰ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ."

ترجمہ:"ہم اہل قبلہ میں سے ہر نیک وفاجر امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو درست سمجھتے ہیں اور اسی طرح ہر نیک وبد کی نماز جنازہ پڑھنا شرعاً جائز سمجھتے ہیں۔"

تشریح:۔مصنف رحمہ اللہ نے یہاں جو عقیدہ بیان کیا ہے اس کا تذکرہ حدیث میں وارد ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ .(۱) ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔اہل سنت والجماعت کے عقاید میں سے یہ بھی ہے کہ ہم ہر مسلمان کے پیچھے نماز جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ نیک وصالح ہو یا فاسق وفاجر ہو۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فاسق اور فاجر کو امام بنایا جائے بلکہ امام معاشرے میں صالح اور نیک بندہ ہو اس لیے فقہاء نے فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی بتایا ہے لیکن یہاں پر نفس جواز کی ہے اگر کسی مسلمان فاسق اور فاجر کی اقتداء میں نماز پڑھی گئی تو نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ جائز ہوگی۔صحیح بخاری میں وارد ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اسی طرح حضرت ابو ہریرہ،حضرت انسؓ اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین حجاج اور اُسکی طرح دیگر ظالم اور فاسق وفاجر اماموں کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔لہذا اس طرح کے امام کے پیچھے عام نماز بھی جائز اور جمعہ وعیدین بھی جائز ہے۔

قولہ وَعَلَىٰ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ الخ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فاسق اور فاجر کے پیچھے نماز جائز ہے اس طرح اگر فاسق اور فاجر مرجائے تو ان کا نماز جنازہ پڑھنا بھی درست ہے۔اس عموم سے باغی اور قطاع الطریق مستثنیٰ ہیں اگر ایک انسان کا اعتقادی منافقت،

---

(۱)الدار قطنی

ارتداد معلوم ہو جائے تو اُن پر نماز جنازہ اور اُن کیلئے استغفار نا جائز ہے جس کا جنازہ حضرت حذیفہؓ نہ پڑھاتے تو حضرت عمرؓ بھی اُس کا نماز جنازہ نہ پڑھاتے۔ علماء اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھایا جائے تاہم علماء اور صلحاء زجراً اس میں شرکت نہ کرے۔

ہم کسی مسلمان کیلئے جنت یا جہنم کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔

عقیدۃ: ۷۰ "وَلَانُنْزِلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً وَلَانَارًا ، وَلَانَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِالْكُفْرِ وَلَابِشِرْكٍ وَلَا بِنِفَاقٍ ، مَالَمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ، وَنَذَرُ سَرَآئِرَهُمْ اِلَى اللهِ تَعَالٰى."

ترجمہ: "ہم کسی فرد کو جنتی یا جہنمی قرار نہیں دیتے اور نہ ہی کسی پر کفر، شرک یا نفاق کی گواہی دیتے ہیں تاوقتیکہ ان چیزوں کا اس سے ظہور نہ ہو جائے۔ لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔"

تشریح:۔ اس عقیدے میں مصنف رحمہ اللہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم کسی مسلمان کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں اس لیے کہ وہ بہتر جانتے ہیں البتہ ہم صالحین کے بارے میں اچھا گمان رکھیں گے کہ وہ ان شاء اللہ جنت میں جائیں گے اور گناہ گاروں کے متعلق استغفار کریں گے اگر ایک بندہ جہنم کا مستحق ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اُس کو معاف کر دے تو اُس سے کون پوچھنے والا ہے۔ البتہ جن کے جنتی ہونے کی خوشخبری خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے تو ہم اُن کے بارے میں یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ جنتی ہیں۔ کسی شخص کے جنتی ہونے کی شہادت کے بارے میں سلف کے تین اقوال ہیں۔

۱۔ محمد بن الحنفیہ اور امام اوزاعی سے منقول ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ کسی کیلئے جنتی ہونے کی شہادت نہیں دی جائے گی۔

۲۔ اکثر علماء اور محدثین فرماتے ہیں کہ جس مؤمن کے بارے میں جنتی ہونے کی نص موجود ہے تو اُس کیلئے جنت کی گواہی دینا صحیح ہے۔

۳۔جس کیلئے سب مؤمن گواہی دیں تو وہ جنتی ہے۔ایک جنازہ گزرا۔صحابہ کرام نے اُس کی تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاوَجَبَتْ پھر دوسرا جنازہ گزرا لوگوں نے اُسکی برائی بیان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَجبتْ . حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وَجَبَتْ کا کیا معنی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسکی آپ نے اچھائیاں بیان کی اُس کیلئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی آپ نے برائی بیان کی اُس کیلئے دوزخ واجب ہوگئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِی الْاَرْضِ. آپ لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لوگ عنقریب اہل جنت اور اہل دوزخ کو جان لیں گے لوگوں نے کہا وہ کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بِالثَنَاءِ الْحسنِ وَالثناءِ السَّیِّیءِ اچھی اور بری تعریف کے ذریعے۔

وَلَانَشْهَدُ عَلَيْهِمُ الخ

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ ہم ظاہر کے مکلّف ہیں ظاہری کفر وشرک کی طرف دیکھنا ہوگا بدگمانیوں سے ہم کو منع کیا گیا ہے یہ غلط بات ہے کہ فلاں کافر ہوگیا فلاں مشرک ہوگیا کیونکہ وہ جب بظاہر اسلام کا دعویدار ہے تو اُس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا الا یہ کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا صراحت سے انکار کردے یا ایسی تاویلات فاسدہ کرے جو دین کے کسی قاعدہ میں داخل نہ ہو۔آج کل یہ بیماری عام ہوگئی ہے لوگ ایک دوسروں پر کفر اور شرک کے فتوی لگا رہے ہیں اس سے بچنا چاہیئے آخرت کے اعتبار سے انتہائی خطرے کی بات ہے۔

ناحق خون بہانا منع ہے۔

عقیدۃ: ۷۱ "وَلَانَرَى السَّيْفَ عَلىٰ اَحَدٍ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِلَّامَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ."

ترجمہ:"ہم امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی فرد پر تلوار نکالنا جائز نہیں سمجھتے، مگر جس

پر تلوار واجب ہو جائے۔"

تشریح:۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کلمہ گو کا قتل شرعاً حرام ہے۔ مسلمان کا خون بہانا حرام اور ناجائز ہے ہاں جہاں شریعت نے اجازت دی ہے وہاں جائز ہے حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لایحل دم امرئ مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی الثلث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة (۱) ترجمہ: کسی مسلمان کا خون بہانا حلال نہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر تین چیزوں میں سے ایک چیز سے شادی شدہ زنا کرنے والا اور جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑنے والا جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔

قرآن اور حدیث میں مسلمان کے ناحق خون بہانے سے سختی سے منع آیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (۲)

ترجمہ: اور جو مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اُسکی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس پر خدا غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا ایسے شخص کیلئے اُس نے بڑا سخت عذاب تیار کیا ہے۔

بلکہ ایک جگہ وارد ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری دنیا کے انسانوں کا قتل ہے اور ایک انسان کا بچانا تمام انسانوں کا بچانا ہے۔

بہر حال اس عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کا ناحق خون بہانا ناجائز اور حرام ہے شریعت نے سختی سے اس کو منع کیا ہے۔

---

(۱) متفق علیہ (۲) النساء ۹۳

مسلمان حاکم کے خلاف بغاوت حرام ہے

عقیدۃ: ۷۲" وَلَانَرَى الْخُرُوْجَ عَلٰى اَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ اُمُوْرِنَا ، وَاِنْ جَارُوْا، وَلَانَدْعُوْا عَلَيْهِمْ ، وَلَانَنْزِعُ يَدًا مِنْ طَاعَتِهِمْ ، وَنَرٰى طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فَرِيْضَةً، مَالَمْ يَأْمُرُوْا بِمَعْصِيَةٍ، وَنَدْعُوْا لَهُمْ بِالصَّلَاحِ وَالْمُعَافَاةِ.

ترجمہ: ''ہم مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے اگر چہ وہ ظلم کریں اور نہ ہی ہم انہیں بددعا دیتے ہیں اور نہ ہی ان کی اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہیں جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دیں۔ ہم ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور فرض سمجھتے ہیں اور ہم ان کے لئے بہتری اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔''

حل لغات:۔ولاۃ جمع ہے والی کی بمعنی حاکم۔جاروا۔انہوں نے ظلم کیا۔لَانَدْعُوْا عَلَيْهِمْ، دعا کا صلہ جب علیٰ آتا ہے تو اس کے معنی بددعا کے آتے ہیں۔یعنی ہم اُن کیلئے بددعا نہیں کریں گے۔ لاننزع نہیں نکالیں گے۔

تشریح:۔مسلمان حکمران سے بغاوت ناجائز ہے بلکہ ان کی اطاعت ضروری ہے اس لیے کہ بغاوت کی صورت میں اگر اس ظلم وزیادتی اور ناانصافی کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو حاکم لوگ ردعمل میں اُن پر ظلم اور زیادتی کریں گے جس سے فتنہ وفساد پھیلے گا ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا جس سے اسلام کی شان وشوکت متاثر ہوگی اجتماعیت ختم ہوجائے گا۔اس مضمون کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے وَاَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۱)

ترجمہ: حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اللہ تعالیٰ کے رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔یہی وجہ ہے کہ

---

(۱) النساء، ۵۹

تاریخ اسلامی سے یہ بات عیاں ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین نے فاسق اور فاجر حکمرانوں کی اطاعت کی اُن کی ظالمانہ اور غیر منصفانہ رویہ برداشت کر کے صبر وتحمل سے کام لیا تاکہ اجتماعیت برقرار رہے۔ حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور سفاح حکمرانوں کے ساتھ صحابہ کرام اور تابعین نے وقت گزاری اور اُن کی مخالفت نہیں کی۔

احادیث میں اطاعت امیر پر بہت زور دیا گیا ہے بلکہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے جس نے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ قرآن اور حدیث سے اولی الامر کی اطاعت کا وجوب معلوم ہوتا ہے جب تک وہ کسی معصیت کا حکم نہ دے اولی الامر کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کے بعد مذکور ہے۔ اس میں اشارہ مقصود ہے اولی الامر کی اطاعت مطلقاً نہیں بلکہ اُن امور میں ان کی اطاعت ہوگی جن میں وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی مطیع ہوں۔ لیکن بغاوت اس حالت میں بھی ناجائز ہے۔

کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی کسی امیر میں کوئی ناگوار بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت جدا ہو تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ لہذا ظالم حکمران کی اطاعت کی جائے گی کیونکہ خروج علی الامام کے مفاسد اُن کے مظالم سے زیادہ ہیں تو صبر ضروری ہے جو گناہوں کیلئے کفارہ ہے اور باعث اجر بھی ہے بسا اوقات اللہ تعالیٰ برے اعمال کی وجہ سے ظالم حکمرانوں کو مسلط کر دیتا ہے لہذا ایسے وقت ظالم بادشاہ کو سب وشتم کی جگہ توبہ، اصلاح اور رجوع الی اللہ میں لگنا ضروری ہے۔ اگر ظالم امیر کے ظلم سے چھٹکارا چاہتے ہیں تو خود ظلم چھوڑنا چاہیئے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے آسمانی کتب میں پڑھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں اللہ ہوں مالک الملک ہوں۔ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ جو میری اطاعت کرتا ہے تو بادشاہوں کو اُن کیلئے رحمت بنا دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے تو حکمرانوں

کواُن کیلئے زحمت اور مصیبت بنادیتا ہوں ان ظالم حکمرانوں کی وجہ سے خود کو نہ بھولو یعنی میری طرف متوجہ رہو توبہ کرو ان بادشاہوں کو میں تم پر مہربان بنادوں گا۔ مالک بن دینار کے قول سے بات واضح ہوگئی کہ آج لوگ اللہ تعالیٰ سے بغاوت میں مصروف ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ظالم حکمران مسلط کیئے ہیں۔ اگر لوگ اللہ کی طرف رجوع کر کے توبہ کرے اور اصلاح نفس کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ ان ظالموں کا صفایا کردیں گے۔

فرقہ واریت سے اجتناب ضروری ہے

عقیدۃ: ۷۳" وَنَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ، وَنَجْتَنِبُ الشُّذُوْذَ وَالْخِلَافَ وَالْفُرْقَةَ."

ترجمہ:" ہم سنت اور جماعت کی پیروی کرتے ہیں اور علیحدگی اختلاف اور افتراق سے اجتناب کرتے ہیں۔"

حل لغات:۔ سنۃ ،اسوہ رسول اکرمؐ۔رسول کا طریقہ۔الجماعۃ،اس سے مراد صحابہ،تابعین اور قیامت تک اُن کی پیروکاروں کی جماعت ہے۔شذوذ، یہ مصدر ہے ض،ن علیحدہ ہونا۔

تشریح:۔ہم عقائد اور احکام شرعیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ،خلفاء راشدین اور صحابہ وتابعین کی اتباع کرتے ہیں ان کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ کہ سنت پر چلتے ہیں اور جماعت صحابہ وتابعین کی اتباع کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مصداق ہیں مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ کی تو ہم اُن بہتر ۷۲ فرقوں سے اجتناب کرتے ہیں جو افراط وتفریط کے شکار ہیں۔اور اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں جو قرآن وسنت کے طریقہ پر ہیں۔ نیز ہم کسی شاذ قول پر عمل نہیں کرتے بلکہ اہل سنت والجماعت کی متفق علیہ باتوں پر عمل کرتے ہیں جو عقائد، اعمال، معاملات اور اخلاق میں اُن سے ثابت ہیں۔اور ہم اُن کی اتباع کرتے ہیں۔اسکی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا. (۱)

ترجمہ:۔ جو بندہ سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے علاوہ اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

اہل اللہ سے محبت کا بیان

عقیدۃ: ۷۳" وَنُحِبُّ اَهْلَ الْعَدْلِ وَالْاَمَانَةِ، وَنُبْغِضُ اَهْلَ الْجَوْرِ وَالْخِيَانَةِ."

ترجمہ: "ہم اہل عدل وامامت سے محبت کرتے ہیں ظالموں اور خیانت کا ارتکاب کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔"

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ نیک، صالح اور اللہ والوں سے ان کی محبت ہوگی۔ اہل عدل وانصاف اور نیک لوگوں سے محبت کرنا اور ظالموں اور نافرمان لوگوں سے بغض رکھنا کمال ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔ نیک اور صالح لوگوں سے اس لیے محبت ہو کہ یہ اللہ والے لوگ ہیں عدل وانصاف کو قائم کرنے والے ہیں اور ظالم اور نافرمانوں سے اس لیے بغض اور عداوت ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (۲)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کی اللہ کیلئے بغض رکھا اللہ تعالیٰ کیلئے کسی کو دیا اور اللہ تعالیٰ کیلئے منع کیا اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

اللہ تعالیٰ محسنین، متقین، توابین اور متطہرین کے ساتھ محبت کرتے ہیں ہم بھی ان کے

---

(۱) النساء، ۱۱۵۔ (۲) رواہ الترمذی وابوداؤد۔

ساتھ محبت کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خائنین، مفسدین اور متکبرین سے محبت نہیں کرتے ہم اُن کے ساتھ محبت نہیں رکھتے بلکہ اُن کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔

متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

عقیدۃ: ۷۵ "وَنَقُوْلُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ فِيْمَا اشْتَبَهَ عَلَيْنَا عِلْمُهٗ."

ترجمہ: "اگر کسی چیز کے علم میں ہمیں شبہ ہو جائے تو ہم اس مقام پر "اللہ اعلم" (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کہتے ہیں۔"

تشریح:۔ یہ اُس عقیدے کا بیان ہے جس میں کہا گیا تھا **ماسلم فی دینہ الا من سلّم للہ ولرسولہ ورد علم ماشبہ علیہ الی عالمہ.**

اُس شخص کا دین سالم نہیں جو خود کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے سپرد نہ کر دے اور مشتبہ بات کو اُس کے جاننے والے کی طرف نہ لوٹائے۔

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن باتوں کا علم ہم پر مشتبہ ہو جائے اس کے بارے میں ہم واللہ اعلم کہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ متشابہات کے متعلق ہم کوئی رائی زنی کرنے کے بجائے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذَالِكَ کہہ کر اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیتے ہیں جو کہ راسخین فی العلم کا طریقہ ہے اور اس میں حفاظت ہے۔

موزوں پر مسح کا حکم۔

عقیدۃ: ۷۶ "وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ كَمَا جَآءَ فِي الْاَثَرِ."

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق سفر و حضر میں ہم موزوں پر مسح کو جائز سمجھتے ہیں۔"

تشریح:۔ مسح علی الخفین کا تعلق اگرچہ فقہی جزئیات سے ہے لیکن شیعوں نے اس سے انکار کیا لہذا اس بنیاد پر اس کا اقرار اہل سنت والجماعت کی علامت بن کر عقائد میں مذکور ہوا۔ شیعہ کے نزدیک مسح علی الخفین ناجائز اور پیروں پر ٹخنوں تک مسح جائز ہے۔ مصنفؒ نے جمہور اہل سنت کا عقیدہ بیان

کیا۔ مسح علی الخفین اس امت کی خصوصیت ہے۔ اس امت کو جہاں اور آسانیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہیں تو ان میں سے ایک موزوں پر مسح بھی ہے۔ یہ لفظ تثنیہ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ موزے لازمی طور پر دو استعمال کیے جائیں گے اگر کسی نے ایک موزہ استعمال کر کے اُس پر مسح کیا تو جائز نہ ہوگا چونکہ حکم کے اعتبار سے اس میں خفت اور آسانی ہے اس لیے اس کو خف کہا گیا۔ اگر علاقے کے عام لوگ مسح علی الخفین کی جواز کے قائل ہیں تو وہاں پر دھونا افضل ہے اور جہاں کہیں لوگ اس مسح کے جواز کے قائل نہیں تو وہاں مسح علی الخفین کرنا بہتر ہے۔

قرآن کریم میں اگر ''ارجلکم'' بالکسر پڑھیں گے تو اس صورت میں مسح علی الخفین قرآن سے بھی ثابت ہو جائے گا جبکہ مسح علی الخفین احادیث مشہورہ سے اور بعض کے نزدیک احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس کے منکر کو کافر قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کا منکر بدعتی اور فاسق ہوگا کافر نہیں ہوگا۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر سے زیادہ صحابہ کو دیکھا جو مسح علی الخفین کے جواز کے قائل تھے اس لیے بعض علماء نے اس کو اہل سنت کی نشانی قرار دی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک مجھے یہ حکم کالشمس فی نصف النہار کی طرح واضح نہیں ہوا اسی وقت تک میں اس کا قائل نہیں ہوا۔

اسکی فقہی تفصیل یہ ہے کہ مسح علی الخفین کی مدت مقیم کیلئے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں ہیں یہ جمہور کا مذہب ہے جبکہ امام مالک اور لیث بن سعد رحمہا اللہ کے نزدیک مسح کی کوئی مدت متعین نہیں بلکہ جب تک موزے پہنے ہوئے ہوں تو اُن پر مسح کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک صرف اعلی الخف کا مسح ضروری ہے اور اسفل الخف کا مسح مشروع ہی نہیں جبکہ امام شافعی اعلیٰ کو واجب اور اسفل کو صرف مستحب سمجھتے ہیں واضح رہے کہ مقیم اور مسافر دونوں کیلئے جو مدت مسح مقرر کی گئی ہے اسکی ابتداء وقت حدث سے ہوگی۔

حج اور جہاد فاسق کی قیادت میں آدا ہوسکتا ہے۔

عقیدۃ:۷۷"وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ مَاضِيَانِ مَعَ أُولِي الْأَمْرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ، لَا يُبْطِلُهُمَا شَيْءٌ وَلَا يَنْقُضُهُمَا."

ترجمہ:"مسلمانوں میں سے نیک و بد حکمرانوں کے ساتھ حج اور جہاد قیامت تک جاری رہیں گے ان کو کوئی چیز نہ تو ختم کرسکتی ہے اور نہ توڑ سکتی ہے۔"

تشریح:۔امام طحاوی رحمہ اللہ کا مقصود اس عبارت سے روافض کی تردید ہے۔روافض کا عقیدہ یہ ہے کہ حج اور جہاد کیلئے امام معصوم مہدی منتظر کی ضرورت ہے جب تک وہ ظاہر نہ ہو اس وقت تک جہاد منسوخ ہے۔امام طحاوی نے تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ حج ارکان اسلام میں سے ہے اور جہاد ایک بنیادی حکم ہے دونوں کی آدائیگی کیلئے امیر اور حاکم کی ضرورت ہے تاکہ وہ سرپرستی کرے لیکن امیر حج اور سپہ سالار کا نیک، صالح اور متقی ہونا ضروری نہیں اگر فاسق اور فاجر حاکم بھی ہو تو اُن کی ماتحتی میں بھی یہ افعال انجام دیئے جاسکتے ہیں۔خلاصہ کلام یہ کہ حج اور جہاد میں سفر کی ضرورت پڑتی ہے ساتھ ایک منتظم کی ضرورت ہے تاکہ وہ انتظامی امور کی دیکھ بھال کرسکے اور اگر ضرورت پڑے تو دشمن کا مقابلہ بھی کرسکے تو یہ ایسے امور ہیں جو نیک اور فاجر دونوں قسم کے امام سرانجام دے سکتے ہیں اس میں عصمت کی ضرورت نہیں ہے۔

شیعوں کا ایک فاسد اور باطل عقیدہ ہے کہ اُن کا امام غائب ہے جس کا نام محمد بن الحسن العسکری ہے جس کا اُن کو انتظار ہے کہ وہ تشریف لائے گا جب تک وہ نہیں آئے تو کسی اور کی سرپرستی میں جہاد نہیں کیا جائے گا۔

کرامًا کاتبین پر ایمان لانا ضروری ہے

عقیدۃ:۷۸" نُؤْمِنُ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ، فَإِنَّ اللهَ قَدْ جَعَلَهُمْ عَلَيْنَا حَافِظِينَ."

ترجمہ:"ہم کرامًا کاتبین کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارا محافظ بنایا ہے۔"

تشریح:۔ یہ وہ عقیدہ ہے جسکی طرف قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ. (۱) حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں عالی قدر لکھنے والے جو کچھ تم کرتے ہو وہ اُسے جانتے ہیں دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَاتَمْكُرُوْنَ.(۲) تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حیلہ بازی تمہاری۔ان کے علاوہ اور کئی مقامات میں ان فرشتوں کا تذکرہ موجود ہے۔

ہر انسان پر چار فرشتے مامور ہیں۔ کتب تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ چار فرشتے دن میں اور چار فرشتے رات میں ہر انسان پر مامور ہیں ایک دائیں طرف جو نیکی لکھتا ہے اور دوسرا بائیں طرف جو برائی لکھتا ہے یہ دونوں کرامًا کاتبین ہیں اور دوسرے دو فرشتے حفاظت کیلئے ہوتے ہیں ایک آگے اور ایک پیچھے ان کی طرف بھی قرآن کریم میں اشارہ کیا گیا ہے۔لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (۳) اس کے پہرے والے ہیں بندہ کے آگے سے اور پیچھے سے اسکی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک مضبوط نظام ہے جو کہ ایک ضابطے اور ترتیب کے تحت اس کو چلاتا رہتا ہے۔تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ. (٤) ان فرشتوں کا نام کرامًا کاتبین جسکے معنی عزت والے اور لکھنے والے۔ فجر اور عصر کی نماز میں ان کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے دو دن میں ہوتے ہیں وہ فجر کی نماز میں آتے ہیں عصر میں چلے جاتے ہیں اور دو رات میں ہوتے ہیں وہ عصر میں آتے ہیں اور فجر میں چلے جاتے ہیں لہذا مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا ضروری ہے کہ کرامًا کاتبین حق اور سچ ہیں۔

موت کے فرشتے پر ایمان

عقیدۃ:۷۹ ”وَنُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمُوَكَّلِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِ الْعٰلَمِيْنَ.“

ترجمہ:”اور ہم ملک الموت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کی روحوں کو قبض

---

(۱) انفطار،۱۰ (۲) یونس ۲۱ (۳) الرعد،۱۱ (۴) المؤمنون ۱۲

کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔"

تشریح:۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ فرشتہ جو قبض ارواح پر مقرر ہے وہ حق ہے اُس کو ملک الموت کہتے ہیں عزرائیل کے نام سے مشہور ہے یہاں پر ایک مشہور اشکال ہے کہ بعض مقامات میں قبض ارواح کی نسبت ملک الموت کی طرف ہوتی ہے جبکہ بعض مقامات میں فرشتوں کی طرف اور بعض مقامات میں قبض ارواح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تینوں نسبتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

۱. قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (۱) ترجمہ:۔تو کہہ دو کہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے۔ اس آیت میں نسبت ملک الموت کی طرف ہے تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (۲) قبضہ میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ اس آیت میں قبض ارواح کی نسبت فرشتوں کی طرف کی گئی ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (۳) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو اُن کے مرنے کا۔ اس آیت میں قبض ارواح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ تینوں نسبتیں صحیح ہیں اللہ تعالیٰ قبض ارواح کا حقیقی فاعل ہے ملک الموت اسکی طرف سے قبض ارواح پر مقرر ہے اور فرشتوں کی جماعت ملک الموت کے اعوان اور مددگار ہیں۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ملک الموت روح قبض کر لیتا ہے اللہ کے حکم سے پھر ان سے ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب لے لیتے ہیں اور روح کو مستقر تک پہنچا دیتے ہیں۔

عذاب قبر حق اور سچ ہے۔

عقیدۃ: ۸۰ "وَبِعَذَابِ الْقَبْرِ لِمَنْ كَانَ لَهٗ اَهْلًا، وَسُؤَالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ فِيْ قَبْرِهٖ عَنْ رَبِّهٖ

---

(۱) السجدہ ۱۱ (۲) الانعام، ۶۱ (۳) الزمر، ۴۲

وَدِيْنِهٖ وَنَبِيِّهٖ عَلٰى مَا جَاءَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَنِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ."

ترجمہ: ''ہم عذاب قبر پر بھی یقین رکھتے ہیں یعنی اس شخص کو عذاب ہوگا جو اس کا مستحق ہو جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ ہم قبر میں منکر ونکیر کے سوالات کو بھی برحق مانتے ہیں جو اللہ عزوجل، دین اور رسول اکرم ﷺ کے متعلق کریں گے۔''

تشریح:۔ اس عقیدے کی بیان کی ضرورت یوں پڑی کہ معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر سے انکار کیا علماء نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کر کے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی تاکہ لوگوں پر اس باطل عقیدے کی زہریلا اثرات نہ پڑے۔ تو گویا اس عبارت سے مقصود اپنے عقیدے کا بیان اور ساتھ ساتھ معتزلہ کی تردید ہے۔

انسان چار قسم کی زندگی سے گزرتا ہے ۱۔ ماں کے پیٹ سے وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (۱) ۲۔ دنیا سے ۳۔ موت سے لے کر قیامت تک اس زندگی کا دوسرا نام عالم برزخ ہے۔ ۴۔ محشر سے لے کر ابد الآباد تک۔ پہلی اور دوسری قسم کی زندگی میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں لہذا اس کو زیر بحث لانے کی ضرورت ہی نہ پڑی جبکہ تیسری اور چوتھی قسم کی زندگی میں بعض لوگوں کا اختلاف ہے اس لیے اس کو زیر بحث لانے کی ضرورت پڑی۔ ہمارا بیان عالم برزخ کے بارے میں ہے جو زندگی کی تیسری قسم ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ یہ زندگی تنعیم اور تعذیب کے تمام احوال کے ساتھ حق اور سچ ہے۔

عالم برزخ کی زندگی میں تنعیم اور تعذیب روح پر ہوتا ہے یا بدن پر یا دونوں پر۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عالم برزخ میں تنعیم اور تعذیب کا تعلق صرف بدن انسانی کے ساتھ ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک تنعیم یا تعذیب کا تعلق صرف روح انسانی کے ساتھ ہے۔ لیکن اہل سنت

---

(۱) النحل ۷۸

والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ عذاب اور انعام کا تعلق روح اور بدن دونوں کے ساتھ ہے۔ یہی عقیدہ حق اور سچ ہے۔

عذاب قبر کے دلایل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱. اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ. (۱) وجہ استدلال یہ ہے کہ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ کا عطف غدوًّا وعشیًا پر ہو رہا ہے اور عطف مغایرت بین المعطوف والمعطوف علیہ کا مقتضی ہے اسی بنیاد پر غدوًّا وعشیًا سے روز قیامت سے پہلے کے صبح وشام مراد ہوں گے پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے یعنی عالم برزخ میں صبح وشام آل فرعون کو عذاب دیا جاتا ہے اور قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں ڈالو۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۔(۱) وجہ استدلال یہ ہے کہ کلام عرب میں فاء تعقیب بلامہلت کیلئے ہے یعنی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معطوف کا وجود معطوف علیہ کے فورًا بعد ہے۔ تو اب معنی ہوں گے کہ وہ لوگ (قوم نوح) غرق کیے جانے کے فورًا بعد عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے اور ظاہر ہے کہ غرق کیے جانے کے بعد وہ ابھی عالم برزخ میں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔

۳. اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ. (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ. (۳)

۵۔ شہداء کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ.

قبر کے اندر سوال کرنے پر دو فرشتے مأمور ہیں ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر۔

---

(۱) نوح ۲۵ (۲) رواہ الدار قطنی (۳) رواہ الترمذی ۲/۵۲۴

بعض علماء کا کہنا ہے کہ نیک اور فاسق ہر قسم کے لوگوں سے یہی دو فرشتے پوچھیں گے جبکہ بعض دیگر علماء کا کہنا ہے کہ منکر اور نکیر اُن فرشتوں کا نام ہے جو نافرمانوں سے پوچھتے ہیں نیک اور صالح لوگوں سے پوچھنے والوں کا نام مبشّر اور بشیر ہیں۔ وہ حاضر ہو کر میّت سے تین سوالات کرتے ہیں۔ ۱۔ تمہارا رب کون ہے۔ ۲۔ تمہارا دین کیا ہے ۳۔ تمہارا نبی کون ہے۔ ۴۔ تم اس انسان کے بارے میں کیا کہتے ہو۔

پھر اس کے بعد نیک اور صالح لوگوں کیلئے قبر جنت کی پھلواری بنتی ہے اور نافرمان اور فاسق لوگوں کیلئے قبر جہنم کا گڑھا بن جاتا ہے۔ مزید تفصیلات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

قبر کی زندگی کیا ہے۔

عقیدۃ: ۸۱ "اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، أَوْحُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ."

ترجمہ: "قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔"

حل لغات:۔ روضۃ ۔ باغ یہ مفرد ہے اس کا جمع ریاض ہے۔ حفرۃ گڑھا اس کا جمع حُفر آتا ہے۔

تشریح:۔ اسکی تشریح سابقہ عقیدے کے بیان میں موجود ہے۔

موت کے بعد والی زندگی کا بیان

عقیدۃ: ۸۲ "وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَآءِ الْأَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ ، وَالثَّوَابِ، وَالْعِقَابِ ، وَالصِّرَاطِ وَالْمِيْزَانِ."

ترجمہ: "ہم موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، قیامت کے روز اعمال کی جزاء، حساب و کتاب، اعمال نامے کی قراءت و ثواب، پل صراط اور میزان جیسے حقائق پر ایمان رکھتے ہیں۔"

تشریح:۔ موت اور قبر کی زندگی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پل کی طرح ہے۔ عرب کہتے ہیں

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ. موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔ مصنف نے فرمایا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی حق اور سچ ہے۔ بعث کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کی رائی یہ ہے کہ بعث صرف بدن انسانی کا ہوگا۔ دوسری جماعت کی رائی یہ ہے کہ بعث صرف روح انسانی کا ہوگا۔ تیسری جماعت کی رائی یہ ہے کہ حشر اور بعث ارواح اور بدن دونوں کا ہوگا یہی حق سچ اور صحیح عقیدہ ہے پہلے آراء غلط اور باطل ہیں۔ تمام انسان اور جنات کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

۲۔ جزاء الاعمال حق اور سچ ہے۔ ہر انسان کو دنیا میں کیئے ہوئے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ .(۱) تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔(۲) ترجمہ: جو کوئی نیکی لے کر آئے اُسے ویسے ہی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لے کر آئے گا اُسے ویسے ہی سزا ملے گا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ انسان اور جنات دونوں کو دنیا کے اندر کیے ہوئے اچھے اور برے اعمال کے بدلے ملیں گے اچھے اعمال کا بدلہ جنت کی شکل میں اور برے اعمال کا بدلہ جہنم کی شکل میں ملے گا۔

۳۔ بندہ پر اُس کے اعمال پیش کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں سب کی پیشی ہوگی جس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے۔ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (۳) اُس روز پیش کیئے جاوگے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا (٤) اور سب کے سب آپ کے رب کے روبرو کھڑے کر کے پیش کیے جائیں گے۔

۴۔ وَالْحِسَابُ. بندہ پر جب اُس کے اعمال پیش کیئے جائیں تو اُس کے مطابق اُس کا حساب ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۵) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جلد لیتا ہے حساب۔

---

(۱) التحریم ۷ (۲) الانعام ۱۶۰ (۳) الحاقۃ ۱۸، (۴) الکھف ۴۸ (۵) آل عمران ۱۹۹

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیْرًا وَیَنْقَلِبُ اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَیَصْلٰی سَعِیْرًا. (۱)

ترجمہ: سو جس کو ملا اُس کا عمل نامہ دائیں ہاتھ میں تو اُس سے حساب لیا جائے گا آسان اور پھر کر آئے گا اپنے لوگوں کے پاس خوش ہو کر اور جس کو ملا اُس کا عمل نامہ پیٹھ کے پیچھے سے سو وہ پکارے گا موت موت اور پڑے گا آگ میں۔

۵۔ وَقِرَاءَةِ الْکِتَابِ: ۔ ہر ایک انسان خود اپنے عمل نامہ کو پڑھ سکے گا اگرچہ وہ دنیا میں غیر تعلیم یافتہ ہو لیکن بروز قیامت اللہ تعالیٰ اُسے تعلیم یافتہ بنا کر اس قابل ہو جائے گا کہ وہ اپنا عمل نامہ خود پڑھے اور خود پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ جب دوسرا اس کو پڑھائے گا تو اس کو یقین حاصل نہ ہوگا کہ پتہ نہیں ٹھیک سنایا یا غلط سنایا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتائی ہے۔ اِقْرَأْ کِتَابَكَ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا (۲) ترجمہ: اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔

۶۔ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ۔ اُس دن اچھے اعمال کا اچھا بدلہ جنت کی شکل میں اور برے اعمال کا برا بدلہ جہنم کی شکل میں ملے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ. (۳) تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔

۷۔ وَالصِّرَاطِ۔ ہر ایک کو پل صراط پر گزرنا ہوگا جو جہنم کے اوپر رکھا گیا ہے۔ اہل سنت والجماعت

---

(۱) الانشقاق ۷-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۲ (۲) بنی اسرائیل ۱۴ (۳) الزلزال ۷، ۸

کا عقیدہ ہے کہ جہنم کے اوپر ایک پل ہے جس کا نام پل صراط ہے ہر بندے کو اُس پر گزرنا ضروری ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا (۱) اس پل پر فرشتے کھڑے ہوں گے جن کے ہاتھوں میں بڑی بڑی زنجیریں ہوں گی جو کہ کفار کو پکڑ کر الٹا جہنم کے اندر ڈال دیں گے اور ایمان والے اپنے اعمال صالحہ کے اعتبار سے پل پر سے گزریں گے سب سے پہلے گزرنے والے میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور پھر دیگر انبیاء ہوں گے اور اس کے بعد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ پل کے اوصاف کے بارے میں منقول ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ معتزلہ پل صراط کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے پل پر گزرنا ناممکن ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں ہم روزانہ جس صراط مستقیم کا سوال کرتے ہیں یہ بھی درحقیقت تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے اور اس کا حاصل کرنا بھی مشکل ہے اس لیے ہم روزانہ کئی بار اس کی حصول کیلئے سوال کرتے رہتے ہیں۔

۸۔ وَالْمِيْزَانِ: ہمارا عقیدہ ہے کہ بروز قیامت میزان لگایا جائے گا جس کے ذریعے بندوں کے اعمال کا وزن ہوگا۔ میزان کے بارے میں اختلاف ہے کہ میزان ایک ہے یا کئی میزان ہوں گے بعض علماء کا کہنا ہے کہ ایک میزان ہوگا جبکہ بعض کے نزدیک کئی سارے میزان ہوں گے ان کا استدلال اس آیت سے ہے فمن ثقلت موازینه (۲) میزان کا قیام اہل ایمان کیلئے ہے کفار بغیر حساب اور کتاب کے جہنم کے اندر ڈال دیئے جائیں گے۔ کیفیت میزان کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پس ہمارا عقیدہ ہے کہ وزن اعمال حق اور سچ ہے۔ جبکہ معتزلہ وزن اعمال سے منکر ہیں۔ لہذا اُن کی تردید ہوگئی۔

---

(۱) مریم ۷۱

(۲) المؤمنون ۱۰۲

جنت اور جہنم دونوں فی الحال موجود ہیں۔

عقیدۃ: ۸۳ "وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ، لَاتَفْنِيَانِ أَبَدًا وَلَاتَبِيْدَانِ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى خَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ، وَخَلَقَ لَهُمَا أَهْلًا فَمَنْ شَآءَ مِنْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ فَضْلًا مِنْهُ، وَمَنْ شَآءَ مِنْهُمْ إِلَى النَّارِ عَدْلًا مِنْهُ، وَكُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا قَدْ فُرِغَ لَهُ، وَصَائِرٌ إِلٰى مَا خُلِقَ لَهُ."

ترجمہ: "جنت اور دوزخ اللہ کی مخلوق ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو دوسری مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بنایا اور ان دونوں کے لئے اہل بھی پیدا کیا۔ ان میں سے جسے چاہے گا اپنے فضل وکرم سے جنت میں داخل کردے گا اور جسے چاہے گا اپنے عدل وانصاف کے ساتھ جہنم رسید کردے گا۔ ہر انسان وہی کام سرانجام دیتا ہے جس کیلئے وہ فارغ ہوگیا اور ہر شخص اسی طرف لوٹنے والا ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔"

حل لغات:۔ یفنی باب (س) (فتح) فنا ہونا۔ یبید باب ض ہلاک ہونا

تشریح:۔ یہاں دین اسلام کی ایک بنیادی عقیدے کا بیان ہے کہ نیک اور صالح عمل والوں کیلئے جنت اور برے اعمال والوں کیلئے جہنم حق اور سچ ہے۔ ساتھ فلاسفہ اور معتزلہ کی تردید مقصود ہے۔ فلاسفہ تو سرے سے جہنم اور جنت کا انکار کرتے ہیں اُن کا فاسد اور باطل عقیدہ ہے کہ جنت اور جہنم دنیوی آرام وراحت اور پریشانی کا نام ہے۔ یہ بالکل کفر کا عقیدہ ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم دونوں حق ہیں لیکن ابھی پیدا نہیں کیئے گئے ہیں بلکہ بروز قیامت جب یہ زمین اور آسمان اور تمام کائنات کا نقشہ ختم ہوجائے گا تو پھر اسی زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ جنت اور جہنم پیدا فرمائیں گے۔ مصنف رحمہ اللہ نے تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں حالاً موجود ہیں اللہ تعالیٰ کی علم میں ہے۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں لیکن کائنات کے نقشے میں موجود ہیں دونوں نہ خود فنا ہوں گے نہ ہی اللہ تعالیٰ ان کو فنا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کیلئے اہل پیدا کیئے ہیں اہل جنت کو ہدایت

دے کر جنت والے راستے پر لگادیا جاتا ہے اور اہل جہنم کو گمراہ کر کے جہنم والے راستے پر لگادیا جاتا ہے جس کو اہل جنت کا راستہ دکھادیا یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور فضل ہے اور جس کو جہنم کا راستہ دکھا کر جنت سے محروم کردے یہ اُس کا عدل ہے۔

وَخَلَقَ لَهُمَا اَهْلاً ۔ جنت اور جہنم دونوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے اہل پیدا کیئے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۔(۱) اور ہم نے پیدا کیئے ہیں دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور انسان۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچہ کے جنازہ کیلئے بلایا گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا جنت کے چڑیوں میں سے اس چڑیے کو خوشخبری ہو نہ تو اس نے برائی کی اور نہ برائی تک رسائی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! بات کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے جنت کیلئے اہل جنت پیدا فرمایا ہے اُن کو جنت کیلئے اُس وقت پیدا کیا جب یہ جنتی اپنے آباؤ اجداد کے پشت میں تھے اور بعض کو دوزخ کیلئے اُس وقت پیدا کیا جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے (۲)

خیر اور شر مقدر ہے

عقیدۃ: ۸٤" وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ عَلَى الْعِبَادِ ."

ترجمہ "خیر وشر کا بندوں کے لئے فیصلہ کردیا گیا ہے۔"

تشریح:۔ مسئلہ تقدیر کا بیان عقیدہ نمبر ۲۳ اور عقیدہ نمبر ۴۵ میں گزر گیا ہے۔ یہاں سہ بارہ بطور تاکید بیان کیا جارہا ہے۔ بندہ کو دین اور دنیا کے سلسلہ میں جو بھی امور پیش آتے ہیں سب سے پہلے تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں اللہ کی طرف سے یہ امور ان کے اوقات اور پیش آنے کے طریقے اور مقام سب متعین ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے اپنے فضل اور عدل سے خیر اور شر کا فیصلہ کرلیا ہے کسی

---

(۱) الاعراف ۱۷۹ (۲) مشکوۃ ۱/۲۰

کے مقدر میں خیر ہے کسی کے مقدر میں شر ہے۔ الحاصل خیر اور شر اس کے قضاء اور قدر کے مطابق ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللهِ. (۱)

قدرت مجازی مدار تکلیف ہے۔

عقیدۃ: ۸۵" وَالْاِسْتِطَاعَةُ الَّتِیْ یَجِبُ بِهَا الْفِعْلُ ، مِنْ نَحْوِ التَّوْفِیْقِ الَّذِیْ لَایَجُوْزُ اَنْ یُوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهٖ فَهِیَ مَعَ الْفِعْلِ وَاَمَّا الْاِسْتِطَاعَةِ مِنْ جِهَةِ الصِّحَّةِ وَالوَسْعِ، وَالتَّمَكُّنِ وَسَلَامَةِ الْاٰلاتِ فَهِیَ قَبْلَ الْفِعْلِ، وَبِهَا یَتَعَلَّقُ الْخِطَابُ، وَهُوَ كَمَا قَالَ تَعَالیٰ ﴿لَایُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (۲)

ترجمہ: ''وہ استطاعت جس سے عمل واجب ہوجاتا ہے جیسے توفیق کہتے ہیں جس سے کوئی مخلوق متصف نہیں ہوسکتی وہ عمل کے ساتھ ساتھ ہے اور وہ استطاعت جو صحت، وسعت، قدرت اور موافق اسباب کی صورت میں مہیا ہوتی ہے اس کا وجود عمل سے پہلے ہوتا ہے۔ خطاب اسی استطاعت سے متعلق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

تشریح:۔ انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ قادر مطلق لہذا بندہ کے اندر قدرت کا ہونا ضروری ہے جسکی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کا مکلف بن سکے اس کو طاقت، قوت، قدرت اور استطاعت کا نام دیا جاتا ہے یہ تمام قریب المعنی الفاظ ہیں۔ استطاعت دو طرح کا ہے۔ استطاعت حقیقی اور استطاعت مجازی۔ استطاعت حقیقی یہ ہے جو کہ من جانب اللہ عین اُس وقت ملتی ہے جب بندہ کسی فعل کا ارادہ کرلیتا ہے اور اس کو حقیقی استطاعت اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے بغیر فعل کا وقوع نہیں ہوسکتا استطاعت مجازی سے مراد آلات واسباب اور اعضاء وجوارح کی درستگی ہے اس استطاعت کی وجہ سے بندہ مکلف بنتا

---

(۱) النساء ۷۸ (۲) البقرہ ۲۸۶

ہے اور یقینی طور پر یہ فعل سے مقدم ہوتا ہے۔قدرت مجازی کا دوسرا نام قدرت میسرہ ہے جو مدار تکلیف ہے۔وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا میں یہی قدرت بیان ہورہی ہے۔قدرت حقیقی کا دوسرا نام قدرت ممکنہ ہے۔یہ قدرت فعل کے ساتھ مقارن ہوتی ہے پہلے نہیں۔جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک قدرت کی دو قسمیں ہوگئیں۔

پہلی قسم قدرت مجازی یا قدرت میسّرہ دوسری قسم قدرت حقیقی یا قدرت ممکنہ۔

انسان کے مکلف ہونے کا دارومدار پہلی قسم پر ہے یعنی کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا حکم اُس انسان کو ہوگا جو کھڑے ہونے پر قادر ہو ورنہ بیٹھ کر پڑے گا۔معتزلہ اور قدریہ اس تقسیم سے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ بہرصورت قدرت فعل سے پہلے ہی ہوتی ہے۔

بندے اپنے افعال کے کاسب اور اللہ تعالیٰ خالق ہیں۔

عقیدۃ:۸۶" وَاَفْعَالُ الْعِبَادِ خَلْقُ اللهِ وَكَسْبٌ مِنَ الْعِبَادِ."

ترجمہ:"بندگان خدا کے افعال اللہ کی مخلوق اور بندوں کا کسب ہیں۔"

تشریح:۔یہاں سے مصنف رحمہ اللہ ایک اہم عقیدہ بیان کررہے ہیں وہ یہ کہ کیا انسان اپنے افعال اور اعمال کا خود خالق ہے یا رب کائنات اس کا خالق ہے۔اس مسئلے میں بحث سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اعمال انسانی دو طرح کے ہیں۔

۱۔افعال اضطراریہ:یعنی وہ افعال جو انسان سے اُس کے ارادے کے بغیر صادر ہوتے ہیں جیسا کہ حالت ارتعاش میں ہاتھ کا حرکت ہونا۔

۲۔افعال اختیاریہ:وہ افعال جن کو انسان اپنی اختیار سے کرتا ہو پہلی قسم کے افعال بالاتفاق اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں ان کے صدور میں بندہ کی قدرت واختیار کو دخل نہیں جبکہ دوسری قسم میں اختلاف ہے۔اس میں علماء کی تین آراء ہیں۔

۱۔اھل سنت والجماعت کی رائی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے تمام افعال کا خالق ہے خواہ افعال خیر

ہو یا افعال شر جبکہ انسان ان افعال کا کاسب ہے اور اس کسب کی بنیاد پر انسان کو سزا یا جزا ملے گا۔

۲۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق اور خود کاسب ہے۔

۳۔ جبریہ کا کہنا ہے کہ انسان مجبور محض ہے نہ اس کو خلق میں اختیار ہے اور نہ کسب میں اختیار ہے۔

اہل سنت والجماعت کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ. (۱)

ترجمہ: تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

یہاں پر ما مصدریہ ہے یعنی وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَعَمَلَکُمْ.

۲۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

۳۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (۳)

ترجمہ: جو تم چاہو گے وہ نہیں ہوگا ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔

یہ دلائل اور ان کے علاوہ دیگر دلائل کی بنیاد پر اہل سنت کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے ہاں انسان کا مؤاخذہ اسی کے کسب کی وجہ سے ہے

معتزلہ کے دلائل

۱۔ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ. (٤)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔

معتزلہ کا کہنا ہے کہ خالقین جمع ہے ایک خالق اللہ تعالیٰ جو بہترین خلق فرماتے ہیں بقیہ اعمال کے خالق انسان ہیں۔

---

(۱) الصافات، ۹۶ (۲) الرعد، ۱۶

(۳) الدھر ۳۰ (۴) المؤمنون، ۱۴

جبریہ کے دلائل

جبریہ اپنے نظریہ کی تائید میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى . (۱)

(اے محمد) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے رمی جمار کی نفی کی اور فعل رمی کو اپنی طرف منسوب فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ افعال کے صدور میں انسان کا دخل نہیں جسطرح کہ اس کے خلق میں انسان کا دخل نہیں

معتزلہ کے دلیل سے جواب۔

اس آیت میں خلق بمعنی تقدیر اور اندازہ کرنے کے ہیں۔ یعنی صورت بنانا، نقشہ بنانا، خاکہ بنانا۔ خلق کا معنی تو یہ ہے کہ کسی چیز کو عدم سے وجود بخش کر ذی روح بنادے تو یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اذ رمیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رمی کی نسبت ہوئی ہے نفی نہیں بلکہ مثبت غیر منفی ہے۔ رمی کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء ابتداء کنکری پھینکنا تھا اور انتہاء ان کو پہنچانا تھا معنی یہ ہوا کہ کنکریاں آپ نے نہیں پہنچائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہنچائی ہیں۔

طاقت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی کو مکلّف نہیں بناتے

عقیدۃ:۸۷" وَلَمْ يُكَلِّفْهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا مَا يُطِيْقُوْنَ ، وَلَا يُطِيْقُوْنَ اِلَّا مَا كَلَّفَهُمْ وَهُوَ تَفْسِيْرُ: ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ نَقُوْلُ لَا حِيْلَةَ لِاَحَدٍ ، وَلَا حَرَكَةَ لِاَحَدٍ، وَلَا تَحَوُّلَ لِاَحَدٍ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ اِلَّا بِمَعُوْنَةِ اللّٰهِ ، وَلَا قُوَّةَ لِاَحَدٍ عَلٰى اِقَامَةِ طَاعَةِ اللّٰهِ وَالثُّبَاتِ عَلَيْهِمَا اِلَّا بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ."

---

(۱) الانفال، ۱۷

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انہی کاموں کا مکلّف ٹھہرایا ہے جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں وہ صرف اسی بات کی طاقت رکھتے ہیں جس کا اُن کو مکلّف بنایا گیا ہے'' لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' کا مفہوم بھی یہی ہے۔ ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کسی کا کوئی بس نہیں چلتا نہ کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر حرکت کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہ کوئی اس کی نافرمانی سے بچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی توفیق کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کوئی گامزن ہو سکتا ہے۔''

حل لغات:۔ حیلہ تدبیر۔ تحول پھیرنا۔ معونت مدد

تشریح:۔ اس عقیدے میں ایک اہم مسئلے کا بیان ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اُن امور کا مکلّف نہیں بنا دیتے ہیں جو بندوں کی بس سے باہر ہو اس مسئلے کی تحقیق سے پہلے ہم بطور تمہید بیان کرتے ہیں کہ مالا یطاق کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو ممتنع بالذات ہے جیسا کہ ضدین کو جمع کرنا نقیضین کو اٹھانا، قدیم کو حادث اور حادث کو قدیم بنانا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری قسم وہ ہے جو ممکن بالذات ہو لیکن اس کا وقوع عادۃً محال ہے جیسا کہ اجسام کی تخلیق وغیرہ۔

تیسری قسم وہ ہے جو ممکن بالذات اور محال بالغیر ہو یعنی فی نفسہ یہ عمل ممکن ہے لیکن ارادہ الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے محال ہو جاتا ہے۔

ان اقسام ثلاثہ میں سے پہلی قسم نہ واقع ہے اور نہ انسان اس کا مکلّف ہے

دوسری قسم بھی واقع نہیں

تیسری قسم ممکن ہے اور انسان کو اس کا مکلّف بنایا گیا ہے اور یہ انسان کے قدرت میں داخل ہے۔ جیسا کہ ابو جہل اور ابولہب کا ایمان لانا۔

مشیت الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

عقیدۃ:۸۸'' وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِيْ بِمَشِيْئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَعِلْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَقَدَرِهٖ ، غَلَبَتْ مَشِيْئَتُهُ الْمَشِيْئَاتِ كُلَّهَا، وَغَلَبَ قَضَآؤُهُ الْحِيَلَ كُلَّهَا، يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ، وَهُوَ غَيْرُ

ظَالِمٍ أَبَدًا،تقدس عَنْ كُلِّ سُوْءٍ وَحِيْنٍ، وَتَنَزه عَنْ كُلِّ عَيْبٍ وَشِيْنٍ .﴿لَايُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾(۱)

ترجمہ:''کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی منشا اس کے علم اور قضاء وقدرت سے جاری وساری ہے۔اس کی مشیت تمام مشیتوں پر غالب ہے اور اس کا فیصلہ تمام حیلوں پر غالب ہے۔ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔وہ ذات کسی پر ظلم نہیں کرتی وہ ہر قسم کی برائی اور ہلاکت سے پاک اور ہر قسم کے عیب اور ناگوار چیزوں سے منزہ ہے''وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرستش نہیں ہوگی اور (جو یہ لوگ کرتے ہیں) ان کی پرستش ہوگی۔''

حل لغات:سوء، برائی۔حَیْن، بفتح الحاء، ہلاکت. تنزہ، پاک ہے۔شین، عیب ناگواری۔

تشریح:۔قضاء اور تقدیر سے متعلقہ مباحث کئی مرتبہ گزر چکے ہیں۔مزید تاکید اور تحقیق کی بنیاد پر ادھر پھر بیان ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کے متعلق ازل میں جو فیصلہ فرمایا اُسی کا نام تقدیر ہے اب دنیا میں ہر چیز اس ازلی فیصلے کے مطابق وجود میں آتی ہے اور فنا ہوتی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا ہے تو کوئی کام وجود میں نہیں آسکتا یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ جگہ جگہ گزر چکی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تمام فیصلوں پر غالب ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔تقدیر مبرم: یہ وہ تقدیر ہے جو اس میں کچھ بھی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔اس کو مبرم نام اس لیے دیا گیا ہے۔کہ مبرم کے معنی مستحکم کے ہیں اور اس تقدیر میں بھی استحکام اور استقلال ہوتا ہے۔

تقدیر معلق:۔یہ وہ تقدیر ہے جو اٹل نہیں ہوتی بلکہ اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے اس تقدیر کو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کام کے ساتھ معلق کر کے لکھتے ہیں اگر فلاں کام ہوا تو فلاں دوسرا کام بھی ہوگا اور اگر

(۱)الانبیاء:۲۳

فلاں کام نہ ہوا تو فلاں دوسرا کام بھی نہیں ہوگا مثلاً اگر فلاں بندے نے والدین کی خدمت کی اور وہ اس سے راضی رہے تو اُسکی عمر ۷۰ سال ہوگی ورنہ ۶۵ سال ہوگی۔ ہم نے تقدیر کی جو تقسیم کی مبرم اور معلق کی طرف تو یہ بندوں کے اعتبار سے ہے اللہ تعالیٰ کو تو پہلے سے پتہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر تقدیر مبرم ہی ہوتا ہے۔

تقدیر کے پانچ درجات ہیں۔

۱۔ وہ امور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ازل میں فیصلہ فرمالیا تھا ان امور سے متعلقہ تقدیر کو تقدیر ازلی کہتے ہیں۔

۲۔ وہ امور جن کو اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کرنے کے بعد اور زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے طے فرمایا۔

۳۔ وہ امور جو صلب آدمؑ سے ذریت آدمؑ کو نکالنے کے وقت ''یوم عھد الست'' میں طے کیا گیا۔

۴۔ وہ امور جو بچے کیلئے اُس وقت طے کیے جاتے ہیں جب وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

۵۔ وہ امور جو دیگر بعض امور پر موقوف کیے گئے ہیں۔

تقدیر کے متعلق پہلے چار درجات تقدیر مبرم کے درجات ہیں جو کہ اٹل ہیں ان میں سے کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوتا آخری اور پانچواں درجہ تقدیر معلق کا ہے اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔

ایصال ثواب کا شرعی حکم

عقیدۃ: ۸۹ ''وَفِیْ دُعَاءِ الْاَحْیَاءِ وَصَدَقَاتِھِمْ مَنْفَعَۃٌ لِلْاَمْوَاتِ.''

ترجمہ: ''زندوں کا مرحومین کے حق میں دعا اور ان کیلئے صدقہ وخیرات کرنا مُردوں کیلئے نفع بخش ہے۔''

تشریح:۔ واضح رہے کہ بعض مسائل کا تعلق عقیدہ سے نہیں بلکہ فقہ سے ہوتا ہے لیکن معتزلہ کی انکار کی

وجہ سے علم العقاید میں اُس کا بیان ہورہا ہے۔ لہذا معتزلہ اور ہمارے درمیان ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ کیا مردے کیلئے ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک مردے کیلئے ایصال ثواب ثابت نہیں جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مردوں کیلئے شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے اُن کیلئے دعا صدقہ اور خیرات سنت کے مطابق کیا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کا اجر وثواب اُن تک براہ راست پہنچادیتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

۱۔ اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَ صدقة جاريه او ولد صالح يدعوا له او علم ينتفع به من بعده (۱)

ترجمہ: رسولؐ نے فرمایا کہ جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اُس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین قسم کے اعمال پر ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۱۔ صدقہ جاریہ ۲۔ نیک اولاد چھوڑ گیا جو ماں باپ کے حق میں دعا کرتی ہے۔

۳۔ علم دین کی خدمت کی جس سے بعد میں لوگ فایدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

۳۔ وَالَّذِيْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (۲)

ترجمہ: جو ان مہاجرین کے بعد آئے دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما۔

۳۔ ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے جو کہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ بروز قیامت انسان پہاڑوں جیسا اجر دیکھکر کہے گا کہ یہ اجر کہاں سے ہے تو اُسے کہا جائے گا کہ یہ آپ کے اولاد کا استغفار ہے جو کہ آپ کیلئے کیا کرتا تھا (۳)

---

(۱) مسلم حدیث نمبر ۱۶۲۱ (۲) الحشر، ۱۰ (۳) طبرانی، مشکوٰۃ

معتزلہ کے دلایل:۔

۱۔اللہ تعالیٰ کے فیصلے مضبوط اور اٹل ہوا کرتے ہیں کسی کی دعا سے اُن میں تغیر وتبدیل ممکن نہیں لہذا دعا کی ضرورت بھی نہیں۔

۲۔قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ۔(۱) یعنی انسان کو صرف اُس کے عمل بدلہ ملے گا نہ کسی اور کے عمل کا۔چونکہ دعا کسی اور کا عمل ہے لہذا اس کا کوئی فایدہ نہیں۔

۳۔كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ اِلَّا اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ ۔(۲) انسان کو صرف اُس کے عمل کا بدلہ ملے گا نہ کہ کسی اور کا۔

معتزلہ کے دلائل سے جوابات دیئے جاچکے ہیں جو مطولات میں موجود ہیں اشرف الفوایداور شرح شرح العقائد میں آپ کو مل سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے

عقیدۃ: ۹۰ "وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَسْتَجِيْبُ الدَّعَوَاتِ وَيَقْضِى الْحَاجَاتِ."

ترجمہ:"اللہ تبارک وتعالیٰ دعاؤں کو قبول اور حاجات کو پورا کرتے ہیں۔"

تشریح:۔مسلمانوں اور تمام اہل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ دعا حصول منفعت اور دفع مضرت کے اسباب میں سے قوی ترین سبب ہے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات اور ضروریات مانگنے اور بلاؤں سے پناہ مانگنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی دعا قبول کرتا ہے بلکہ کافر کی دعا بھی قبول کرتا ہے اس سے فلاسفہ کی تردید حاصل ہوگئی اُن کا خیال فاسدہ یہ ہے کہ دعا سے کچھ فایدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اس امر کے ہونے کی ہے تو وہ ہوکر رہے گا دعا کی ضرورت نہیں اور اگر مشیت خداوندی اس کے ہونے کی نہیں ہے تو دعا سے کوئی فایدہ حاصل نہیں ہوگا

---

(۱) النجم ۳۹ (۲) المدثر ۳۸-۳۹

لیکن یہ اُن لوگوں کی کج فہمی اور جہالت کی واضح دلیل ہے۔ دعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا معز قرار دیا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ (۱) جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اُس پر ناراض ہوتے ہیں۔

قبولیت دعا کے دلائل

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (۲)

ترجمہ:۔ اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۳)

ترجمہ:۔ اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی دلائل قرآن اور حدیث میں موجود ہیں۔

دعا کے قبول ہونے کا مطلب

دعا کی قبولیت کا مطلب سمجھنا ضروری ہے۔ بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ ہم دعائیں کرتے ہیں ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مؤمن بندہ دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اس کو ضرور عطا ہوتی ہے یا اُس نے جو مانگا وہی چیز اُس کو ہاتھوں ہاتھ ملتی ہے یا اسکی دعا اس کیلئے ذخیرہ آخرت بنتا ہے یا دعا کی وجہ سے اُس کو آنے والی بلا اور مصیبت روک دیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ ارشاد سن لی تو عرض کیا کہ جب بات ایسی ہے کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے

---

(۱) ابن ماجہ (۲) المؤمن، ۶۰ (۳) البقرہ، ۱۸۶

حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔(۱)

انسان جو دعاؤں کے عوض آخرت کا اجر وثواب دیکھ لے گا تو بندے کی زبان سے یہ بات نکلے گی۔یا لیتہ لم یعجل لہ شیء من دعائہ (۲)

یعنی بندہ یہ تمنا کرے گا کہ اے کاش میری کوئی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان کو ہر وقت دعا میں لگنا چاہیئے کہ یہ دعا اُس کیلئے ذخیرہ آخرت ہے رفع الدرجات کا ذریعہ ہے اور آخرت کا سامان ہے۔اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے اور نہ مانگنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔چاہیئے کہ ہم ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

مشروعیت دعا کی حکمتیں

۱۔دعا مانگنے میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار ہے کیونکہ جس کا کوئی وجود نہ ہو تو نہ اُس سے سوال کیا جاتا ہے اور نہ اُسے پکارا جاتا ہے۔

۲۔اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے اور خزانوں کے مالک ہونے کا اقرار ہے کیونکہ فقیر اور محتاج سے سوال نہیں کیا جاتا۔

۳۔اللہ تعالیٰ کے سمیع ہونے کا اقرار ہے کیونکہ بہرے کو کوئی نہیں پکارتا۔

۴۔اللہ تعالیٰ کے کریم اور سخی ہونے کا اقرار ہے کیونکہ بخیل سے سوال نہیں کیا جاتا۔

۵۔اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا اقرار ہے کیونکہ بے رحم اور سخت دل سے سوال نہیں کیا جاتا۔

۶۔اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کا اقرار ہے کیونکہ عاجز سے کوئی سوال نہیں کرتا۔

---

(۱) رواہ احمد (۲) کنز العمال ۲/ ۵۷

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے۔

عقیدۃ: ۹۱ "وَیَمْلِكُ كُلَّ شَیْءٍ ، وَلَایَمْلِكُهٗ شَیْءٌ ، وَلَاغِنیٰ عَنِ اللهِ تَعَالیٰ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنیٰ عَنِ اللهِ طَرْفَةَ عَیْنٍ فَقَدْ كَفَرَ وَصَارَ مِنْ اَهْلِ الْحِیْنِ."

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اس کا کوئی مالک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ایک لحظہ بھی کوئی بے نیاز نہیں ہوسکتا، اور جو شخص لحظہ بھر بھی اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہوگیا تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور وہ ہلاکت زدہ لوگوں میں شمار ہوگیا۔"

حل لغات: طَرْفَةَ عَیْنٍ، آنکھ کی حرکت۔ لحظہ بھر۔ حین، ھلاکت۔

تشریح: اس عقیدے میں یہ بات بیان ہورہی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک ہے کوئی چیز اللہ کی ملکیت سے باہر نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کیلئے آسمان وزمین کی ملکیت ہے اور جو اُن میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ انسان لمحہ بھر کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے لیکن اُس کے علاوہ کوئی اور بے نیاز نہیں ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (۲) اے لوگوں تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔ اگر ایک انسان تھوڑی دیر کیلئے بھی خود کو اللہ تعالیٰ سے مستغنی سمجھے کہ مجھے رب کی ضرورت نہیں تو وہ کافر ہوگیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت مالکیت سے انکار ہے۔ صفت الٰہی سے انکار تھوڑی دیر کیلئے ہو یا دوام کے ساتھ ہو دونوں صورتوں میں کفر لازم آتا ہے لہذا اقدم بہ قدم اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کا اظہار ضروری ہے۔

---

(۱) المائدہ ۱۲۰ (۲) فاطر ۱۵

اللہ تعالیٰ کے غضب ورضا کا تذکرہ۔

عقیدۃ: ۹۲ "وَاللّٰہُ یَغْضَبُ وَیَرْضٰی لَا کَاَحَدٍ مِنَ الْوَرٰی۔"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ ناراض بھی ہوتا ہے خوش بھی لیکن اس کی ناراضگی اور خوشی مخلوق جیسی نہیں ہوتی۔"

تشریح:۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کیلئے دیگر صفات ثابت ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کیلئے غضب، رضا، محبت اور عداوت ثابت ہے جگہ جگہ قرآن اور حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ. (۱) تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے

دوسری جگہ ارشاد ہے

مَنْ لَعَنَہُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ (۲) وہی جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر غضب نازل کیا۔ لہذا ہم اس کو مانتے ہیں اور اس میں کوئی ایسی تاویل نہیں کرتے جو اللہ کے شان کے خلاف ہو۔ مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت رضا وغضب ثابت ہے البتہ ہم کو اُن کی کیفیت کا صحیح علم نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اُسکی صفت رضا وغضب مخلوق کی طرح نہیں جس طرح مخلوق کو غصہ آتا ہے اور خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت شدہ غضب ورضا مخلوق کی طرح نہیں اسکی تفصیل لیس کمثلہ شیء میں گزر چکا ہے۔

صحابہ کرام کا مقام

عقیدۃ: ۹۳ "وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَلَا نُفَرِّطُ فِیْ حُبِّ أَحَدٍ مِنْہُمْ، وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْہُمْ، وَنُبْغِضُ مَنْ یُبْغِضُہُمْ وَبِغَیْرِ الْخَیْرِ یَذْکُرُہُمْ، وَلَا نَذْکُرُہُمْ إِلَّا بِخَیْرٍ، وَحُبُّہُمْ دِیْنٌ وَإِیْمَانٌ وَإِحْسَانٌ، وَبُغْضُہُمْ کُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْیَانٌ۔"

---

(۱) الفتح، ۱۸ (۲) المائدہ ۶۰

ترجمہ: ''ہم اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور ہم ان میں سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں سے کسی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم اُس سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے بغض رکھتا ہے اور خیر کے علاوہ کسی اور انداز سے ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ ہم صحابہ کرام کا تذکرہ خیر کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ صحابہ کی محبت دین، ایمان اور احسان کی علامت ہے اور ان سے بغض ..... کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔''

حل لغات:۔ لانفرط۔ باب تفعیل ہے۔ حد سے تجاوز کرنا۔

تشریح:۔ اس عقیدہ میں مصنف رحمہ اللہ شیعہ اور روافض کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور صحابہ کرام کا مقام اور مرتبہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا مقام ملا ہے۔

مزید تفصیل میں جانے سے پہلے ہم صحابی کی تعریف کرتے ہیں۔

صحابی مفرد ہے اس کا جمع صحابہ یا اصحاب آتا ہے اس سے مراد وہ بندہ ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اُس پر ایمان لایا ہو اور حالت ایمان میں دنیا سے رخصت ہو گیا ہو دیکھنا عام ہے خواہ ظاہری آنکھوں سے ہو یا دل کی آنکھوں سے ہو جیسا کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔ ایمان کی حالت میں وقت گزارنا ضروری نہیں یعنی اگر ایمان لاتے ہی دنیا سے رخصت ہو گیا ہو تو پھر بھی کوئی بات نہیں۔ صحابہ کرام کی تربیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہوئی اس لیے معیار حق بن گئے دنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ ہم جیسے ہو جاؤ کامیاب ہو جاؤ گے یہ جرأت صحابہ کرام کر سکتے تھے۔

قرآن اور حدیث میں جگہ جگہ صحابہ کرام کے تذکرے موجود ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ . (۱)

ترجمہ: اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو اُن کے

(۱) التوبۃ، ۱۰۰

پیروکار ہوئے نیکی کے ساتھ راضی ہو اُن سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں اُن کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (۱) ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی لاتخذوھم من بعدی عرضًا فمن احبھم فجبی احبھم ومن ابغضھم فبغضی ابغضھم (الحدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے بعد اس کو نشانہ اعتراض نہ بناؤ جو اُن سے محبت رکھتے ہیں تو وہ میری محبت کی وجہ سے اور جو اُن سے بغض رکھتے ہیں تو میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے اُن سے بغض رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے۔

لاتسبوا احدًا من اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احدٍ ذھبًا ما ادرك مد احدھم ولانصیفه (۲)

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام میں سے کسی کو گالی مت دو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو صحابہ کے ایک مد خرچ کرنے کے برابر اجر وثواب حاصل نہیں کر سکتا نہ نصف مد کے برابر۔ اس کے علاوہ اور کئی روایات موجود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ مصنف رحمہ اللہ نے اپنا عقیدہ بیان کیا کہ صحابہ کرام کے بارے میں ایک مسلمان کا کیا عقیدہ ہونا چاہیئے اور ساتھ ساتھ شیعہ کی تردید کر دی کہ وہ حضورؐ کے صحابہ کے حق میں زبان درازی کرتے ہیں۔

---

(۱) الفتح، ۱۸ (۲) متفق علیہ

قولہ لانفرط فی حب احدٍ منھم الخ یہاں شیعہ اور روافض کی مزید تردید ہو رہی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہم محبت ضرور رکھتے ہیں لیکن محبت میں حد سے تجاوز نہیں کرتے ہیں جیسا کہ شیعوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے مقام سے آگے بڑھایا ہے یہ غلو فی الدین ہے یا جس طرح عیسائیوں حضرت عیسیٰؑ کو نبوت سے آگے بڑھا کر خدا کے درجے تک پہنچایا ہے۔

قولہ وَلَانَتَبَرأ الخ یہاں پر روافض کی مزید تردید مقصود ہے کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام سے براء ت کا اعلان کیا ہے تو مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہر صحابی انتہائی محترم اور ہمارے سر کا تاج ہے اور ہم ہر صحابی کو اپنا اپنا مقام اور مرتبہ دیتے ہیں اور فرمایا کہ صحابہ کرام سے محبت ہمارے دین اور ایمان کا ایک حصہ ہے اور ہمارے صحابہ کرام سے نفرت کفر، منافقت اور سرکشی ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ.

خلافت کا بیان۔

عقیدۃ: ۹۴ "وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أَوَّلًا لِأَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تَفْضِیْلًا لَہٗ وَتَقْدِیْمًا عَلٰی جَمِیْعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثُمَّ لِعَلِیِّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ—وَھُمُ الْخُلَفَآءُ الرَّاشِدُوْنَ وَالْأَئِمَّةُ الْمُھْتَدُوْنَ."

ترجمہ: "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہم رسول اللہ ﷺ کا پہلا خلیفہ مانتے ہیں اس لئے کہ وہ امت میں سب سے مقدم اور افضل ترین ہستی تھے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہ خلفائے راشدین ہیں اور ہدایت یافتہ امام ہیں۔"

تشریح: خلافت کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی عمومی ریاست جو اقامت دین کی کوشش کرے علوم دینیہ کا

احیاء کرے ارکان اسلام کو قائم کرے شعبہ جہاد کو قائم کرے کہ لشکر تیار کرے کفار کے ساتھ قتال کا منصوبہ بنائے اُن کے مقابلہ کیلئے لشکر روانہ کرے مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کرے۔ رعایا کو انصاف فراہم کرنے کیلئے نظام عدل قائم کرے حدود اللہ کو نافذ کرے مظالم کا خاتمہ کرے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نیابۃً انجام دے۔ (ازالۃ الخفاء)

یہ ہے خلافت کا مفہوم۔ اب یہ بات ثابت کرنی ہے کہ خلافت سب سے پہلے کسی کو ملی اور پھر اس کے بعد کیا ترتیب رہی۔

خلفاء راشدین کی جس ترتیب سے فضیلت منقول ہے بالکل اُسی طرح ان کی خلافت منقول ہے خلیفہ اول بلافصل حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تفصیل یہ ہے کہ جس روز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوئی تو تجہیز و تکفین سے پہلے پہلے انصار ثقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو کر حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وہاں پہنچ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی الائمة من قریش.

یہ الفاظ کہنے تھے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف ہاتھ بڑھائے اور کہنے لگے کہ تم کو حضورؐ نے ہمارے دین کی سرپرستی کیلئے پسند کیا تھا تو کیا ہم آپ کو اپنی دنیا کی سرپرستی کیلئے نہیں پسند کریں گے پھر صحابہ کرام دیوانہ وار آگے بڑھ کر بیعت ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ کی بیماری کی وجہ سے حضرت علیؓ سے کچھ تاخیر ہوئی لیکن بعد میں بیعت ہوئے اور سب نے بالاتفاق حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ اول بلافصل منتخب کر لیا۔ اگر خلافت حضرت ابوبکرؓ کا حق نہ ہوتا تو صحابہ کیسے متفق ہو جاتے اور اگر حضرت علیؓ کے پاس کوئی دلیل اپنی خلافت پر تھی جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں تو وہ کیسے چھپاتے بلکہ بیان کر کے اپنے لیے خلافت حاصل کرتے لہذا شیعہ کی باتیں بے بنیاد اور غلط ہیں صحابہ کرام جیسی جماعت حق چھوڑ کر کیسے باطل پر متفق ہو گئے۔

قولہ ثُمَّ لِعُمرِ بنِ الْخَطَّابِؓ الخ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب دنیا کی زندگی

سے ناامید ہوگئے تو بعض صحابہ کرام سے حضرت عمرؓ کے بارے میں مشورہ کیا حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ املاء کروا کر لوگوں کو حکم دیا کہ جو اس خط میں ہے اُس کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ لہٰذا حضرت ابوبکرؓ کے بعد سارے صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے حضرت علیؓ بھی بیعت ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہوا عہد نامہ تاریخ الخلفاء ص ۸۲ پر یوں منقول ہے بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما عهد ابوبكر بن ابي قحافة في آخر عهده في الدنيا خارجًا عنها واول عهده بالاخرة داخلاً فيها حيث يؤمن الكافر ويوقن الفاجر ويصدق الكاذب إني استخلف عليكم بعدي عمر بن الخطاب فاسمعوه واطيعوه واني لم آل الله ورسوله ودينه ونفسي وإياكم خيرا فان عدل فذالك ظني به وعلمي فيه وان بدل فلكل امرئ ما اكتسب والخير اردت ولا اعلم الغيب وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

قوله ثُمَّ لِعُثْمَانَؓ الخ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ایک غلام ابولؤلؤ مجوسی کے ہاتھوں شہید ہوئے جس کا واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ کرام کی ایک کمیٹی (جماعت) تشکیل کی جس میں حضرت عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہؓ، زبیر بن العوامؓ اور سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے پھر اس جماعت نے تمام تر اختیارات حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حوالہ کر کے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ثالث منتخب فرمایا تمام صحابہ کرام نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ خلیفہ منتخب ہوئے۔

قوله ثُمَّ لِعَلِّی بْنِ اَبِی طَالِبٍؓ عَنْهُ الخ. حضرت عثمانؓ کی واقعہ شہادت کے بعد اکابر صحابہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رابع منتخب فرمایا اور تمام صحابہ اُن کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی آپس میں جو اختلافات تھیں وہ درحقیقت کچھ اجتہادی غلطیوں کی وجہ سے تھیں مسئلہ خلافت میں نہیں تھیں۔ وہ اجتہادی غلطی یہ تھی کہ فریق مخالف

قاتلین عثمان سے قصاص پر اصرار کر رہے تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ مصالح کی بنیاد پر اس میں تاخیر ہو رہی تھی

خلفاء اربعہ کی مدت خلافت

۱۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال تین ماہ

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال چھ ماہ

۳۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چار سال نو ماہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اہل عراق نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی لیکن اس خلافت کے چھ ماہ بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے حوالہ کر دی اور حضرت امیر معاویہؓ متفقہ طور پر خلیفہ بن گئے اور اس سے مسلمانوں کے درمیان اختلافات اور تنازعات ختم ہو گئیں یہ ہے خلافت راشدہ کا مختصر خاکہ تفصیل کیلئے مطولات کا مطالعہ کیجیے۔

عشرہ، مبشّرہ کا بیان

عقیدۃ: ۹۵ "وَإِنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَبَشَّرَهُمْ بِالْجَنَّةِ نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ، عَلٰى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ، وَهُمْ أَبُوْبَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ، وَسَعْدٌ، وَسَعِيْدٌ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، وَأَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَهُوَ أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ."

ترجمہ: "وہ دس صحابہ جن کا رسول اللہ ﷺ نے نام لیا اور انہیں جنت کی خوشخبری دی ہم ان کے جنتی ہونے کی گواہی اس بنا پر دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس کی گواہی دی، آپ کا فرمان برحق ہے، وہ دس صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم یہ ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف،

اور ابوعبیدہ بن الجراح (آپ اس امت کے امین ہیں) رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔"

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ ایک اہم عقیدہ بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ وہ دس صحابہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یکمشت جنت کی خوشخبری دی تھی ہم دل وجان سے تسلیم کرتے ہیں اور اس خوشخبری کو حق اور سچ مانتے ہیں۔ ویسے تو ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرام کیلئے جنت کی خوشخبری ثابت ہے انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر۔ انفرادی طور پر مثلاً حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسینؓ وغیرہ کیلئے اجتماعی طور پر جیسا کہ اہل بدر کیلئے، اہل احد اور اہل بیعت الرضوان وغیرہ لہذا صحابہ کرام میں سے جنتی ہونا صرف ان دس کی خصوصیت نہیں ہے اور بھی کئی سارے صحابہ اس خصوصیت اور خوشخبری کا پروانہ حاصل کر چکے ہیں لیکن چونکہ ان دس صحابہ کو ایک ہی دفعہ خوشخبری ملی ہے لہذا یہ بہت زیادہ مشہور ہو گئے جن جن صحابہ کیلئے یہ خوشخبری ثابت ہے ہم صرف اُن کے حق میں استعمال کر سکتے ہیں کسی اور کے حق میں متعین طور پر جنت یا جہنم کا حکم نہیں لگا سکتے ہیں بلکہ عمومی انداز اختیار کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ اہل ایمان جنتی ہیں اور اہل کفر جہنمی ہیں۔

صحابہ کرام کا تذکرہ خیر اور بھلائی کے ساتھ کیا جائے

عقیدۃ: ۹۶ "وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلَ فِيْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ مِنْ كُلِّ دَنَسٍ، وَذُرِّيَاتِهِ الْمُقَدَّسِيْنَ مِنْ كُلِّ رِجْسٍ، فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ."

ترجمہ: "جس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ کی پاکیزہ اولاد کے متعلق اچھا تذکرہ کیا اس نے اپنے آپ کو نفاق سے بری کر لیا۔"

حل لغات:۔ دنس، میل کچیل۔ رجس گندگی

تشریح:۔ اس عقیدے کا تذکرہ عقیدہ نمبر ۹۳ میں گزر چکا ہے بطور تاکید دوبارہ بیان ہو رہا ہے۔ کہ صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد کا تذکرہ اچھے الفاظ اور مناسب انداز سے کیا جائے گا جس میں نہ اُن کی حق تلفی ہو اور نہ حد سے تجاوز ہو۔ درحقیقت اس عقیدے کی بیان میں روافض کی

تردید مقصود ہے کہ وہ اس سلسلے میں افراط اور تفریط کے شکار ہیں بعض صحابہ کرام کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں اور بعض صحابہ کے حق میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

علماء اور صلحاء کا تذکرہ بھلائی اور خیر سے کریں گے۔

عقیدۃ: ۹۷ "وَعُلَمَآءُ السَّلَفِ مِنَ السَّابِقِيْنَ ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِيْنَ اَهْلُ الْخَيْرِ وَالْاَثَرِ ، وَأَهْلُ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ لَايُذْكَرُوْنَ اِلَّا بِالْجَمِيْلِ ، وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوْءٍ فَهُوَ عَلٰى غَيْرِ السَّبِيْلِ."

ترجمہ: "گزشتہ علماءِ سلف اور بعد میں آنے والے ان کے پیروکار جو بلاشبہ خیر و بھلائی کے خوگر اور فقہ ونظر کے حامل تھے ان کا تذکرہ بھی اچھائی کے ساتھ ہی ہونا چاہئے، جس نے انہیں برے انداز میں یاد کیا وہ یقیناً راہ راست پر نہیں ہے۔"

تشریح:۔ علماء، صلحاء، تابعین اور علماء متاخرین خواہ فقہاء ہیں یا محدثین ان کا تذکرہ خیر اور بھلائی سے کریں گے اُن کا نام عزت اور احترام کے ساتھ لیں گے اُن کا نام لیتے ہوئے ساتھ دعائیہ کلمات لگائیں گے مثلاً رحمہ اللہ یا نور اللہ مرقدہ وغیرہ۔ یہ لوگ امت کے محسنین ہیں۔ اس عقیدے میں اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ مقدس دین میں مقدس رجال کا واسطہ ضروری ہے کیونکہ قرآن وحدیث خود ناطق نہیں بلکہ ان کو سمجھانے والے صحابہ کرام، تابعین اور مجتہدین ہیں اُن کی برائی بیان کرنا نمک حرامی ہے کیونکہ ان واسطوں کے ذریعے ہم تک اسلام پہنچا اور ہم نے پڑھا اور پڑھایا جب استعداد پیدا ہوگئی تو اب بدگمانی کریں انتہائی احسان فراموشی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ۔ جو لوگوں کا شکریہ نہیں آدا کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کا کیا شکریہ آدا کریں گے۔

ولی نبی کو نہیں پہنچ سکتا

عقیدۃ:۹۸" وَلَانُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ الْاَوْلِيَآءِ عَلٰى أَحَدٍ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَنَقُوْلُ نَبِيٌّ وَاحِدٌ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ الْاَوْلِيَآءِ."

ترجمہ:" ہم کسی ولی کو کسی نبی پر فوقیت نہیں دیتے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایک نبی تمام اولیا سے افضل ہے۔"

تشریح:۔ ولایت سے متعلقہ بعض اہم اور ضروری باتیں گزر گئیں ہیں۔ یہاں سے مقصود اُن لوگوں کی تردید ہے جن کا کہنا ہے کہ مقام ولایت مقام نبوت سے اعلیٰ ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کوئی ولی کسی نبی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا اگر تمام دنیا کے اولیاء کو جمع کر کے ایک نبی کے ساتھ وزن کیا جائے تو بھی نبی کا مقام و مرتبہ اس سے اعلیٰ ہے۔ کوئی ولی اتباع سنت کے بغیر مقام ولایت حاصل نہیں کر سکتا تو ولی اگر ولی ہے تو اس لیے ولی ہے کہ نبی کا متبع ہے۔ نبی کی اتباع کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔

لہذا یہاں اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ سامنے آ گیا کہ امتی خواہ کتنا ہی زبردست ولایت حاصل کرے نبی کا درجہ نہیں حاصل کر سکتا۔ نبی اور ولی میں یہ فرق ہے۔

۱۔ نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے جبکہ ولی محفوظ تو ہوتا ہے معصوم نہیں ہوتا۔

۲۔ نبی کو سوء خاتمہ کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے جبکہ ولی کو سوء خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۳۔ نبی پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے جبکہ ولی کو یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

۴۔ نبوت ایک چیز ہے۔ جبکہ ولایت کسبی چیز ہے۔

۵۔ محنت اور ریاضت سے کوئی بندہ نبی نہیں بن سکتا ولی بن سکتا ہے۔

۶۔ نبی اپنی نبوت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ جبکہ ولی ولایت کی طرف دعوت نہیں دیتا۔

کرامات اولیاء حق ہیں۔

عقیدۃ: ۹۹ "وَنُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ ، وَصَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ ."

ترجمہ: "اور ہم ایمان رکھتے ہیں ان خوارق عادات باتوں پر جو اولیاء اللہ کی کرامات میں سے وارد ہوئی ہیں اور ثقہ راویوں سے ان کی روایات صحت کے ساتھ ثابت ہیں۔"

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اولیاء کی کرامت حق اور سچ ہے اور ثابت ہے۔ اس سے معتزلہ کی تردید حاصل ہوگئی۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ولی کیلئے کرامت اس لیے ثابت نہیں کہ اس کے اثبات سے نبی اور غیر نبی میں التباس آئے گا لہذا اس سے انکار ہی بہتر ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کرامات ثابت ہیں۔

کرامات اولیاء قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں۔

حضرت مریمؑ کا قصہ آل عمران میں اور اصحاب کہف کا واقعہ دلیل کرامت ہے اُن کا نیند کے ساتھ زندہ رہنا اور تین سو نو سال تک آفات سے محفوظ رہنا اُن کی کرامت تھی اسی طرح آصف برخیا کا تخت بلقیس کو سینکڑوں میل دور سے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کرنا اُن کی کرامت ہے۔

احادیث میں بھی کرامات کا تذکرہ موجود ہے۔

غار میں تین بندوں کا پھنس جانا اور اعمال کے ذریعے اُن کا غار سے نکلنا یہ اُن کی کرامت ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے خط سے دریائے نیل کا جاری ہونا اور نہاوند میں اپنے لشکر کو دیکھنا وغیرہ یہ تمام کرامات ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

امر خارق للعادۃ اگر ولی کے ہاتھوں ظاہر ہو جائے تو کرامت ہے اور نبی کے ہاتھوں ظاہر ہو جائے تو معجزہ ہے۔

معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق کیا ہے۔

۱۔ معجزہ نبی کے ہاتھ سے جبکہ کرامت ولی کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

۲۔ نبی اپنے معجزے کا دعویٰ کرسکتا ہے اور اس کے ذریعے کسی کو دعوتِ مقابلہ بھی دے سکتا ہے جبکہ ولی کرامت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

۳۔ نبی کو نبوت کا علم ہوتا ہے جبکہ ولی کو ولایت کا علم ضروری نہیں۔

۴۔ ظہور معجزہ کیلئے نبی کا قصد اور ارادہ ضروری ہوتا ہے جبکہ ولی کی کرامت کیلئے اُس کا قصد اور ارادہ ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات بلا قصد وارادہ ولی سے کرامت ظاہر ہو جاتا ہے۔

۵۔ معجزہ میں دوام اور استمرار ہوا کرتا ہے مثلاً موسیٰ کے معجزے عصاء، ید بیضاء وغیرہ جبکہ کرامت میں دوام اور استمرار نہیں ہوتا۔

۶۔ معجزے کے حصول اور اظہار پر نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرت دی جاتی ہے وہ جب چاہے تو ظاہر کرے جبکہ ولی کو کرامت پر قدرت حاصل نہیں ہوتا

۷۔ نبی کے ہاتھوں ظہور معجزہ کے بعد اُس کے مقتضی پر ایمان لانا ضروری ہے بسا اوقات معجزے پر عدم ایمان کی وجہ سے عذاب بھی نازل ہو جاتا ہے جبکہ ولی کے ہاتھ ظہور کرامت کے بعد نہ اُس کے مقتضی پر ایمان ضروری ہے اور نہ ہی اس سے قوم کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

علاماتِ قیامت کا بیان

عقیدۃ: ۱۰۰ ”وَنُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ، وَنُزُوْلِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ نُؤْمِنُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا ، وَخُرُوْجِ دَابَّةِ الْأَرْضِ مِنْ مَوْضِعِهَا.“

ترجمہ: ”ہم علاماتِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں (ایمان لاتے ہیں) مثلاً دجال کا خروج، عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابۃ الارض کا اپنی جگہ سے نکلنا۔“

تشریح:۔ اشراط ہے جمع ہے شرط کی بفتح الراء بمعنی علامہ۔ ساعۃ قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ساعت کے لغوی معنی ایک گھڑی کے ہیں تو قیامت کو ساعۃ اس لیے کہا جاتا ہے

کہ یوم البعث اپنی طول کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساعۃ واحدہ کے مثل ہے یا اس لیے کہ قیامت کا وقوع ساعت واحدہ میں بغتۃً اور اچانک آئے گا اس لیے قیامت کو ساعۃ کہا جاتا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کا مقصود ایک طرف ایک اہم عقیدے کا بیان ہے تو دوسری طرف فلاسفہ کی تردید ہے کہ وہ بعث بعد الموت کے منکر ہیں۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقوع قیامت عقلاً بھی ثابت ہے اور نقلاً بھی ثابت ہے نقلاً تو واضح ہی ہے اور عقلاً اس لیے ثابت ہے کہ ایک دن ایسا بھی چاہیئے جس دن صالح اور بدکار، کافر اور مسلمان کے درمیان واضح طور پر جدائی آسکے وہ روز قیامت ہے جس دن فرمان الٰہی ہوگا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (۱) لہذا قیامت کا عقیدہ حق اور سچ ہے۔ باقی علامات قیامت کیا ہیں تو وہ کتاب کے اندر مذکور ہیں۔ ویسے تو کافی ہیں مصنف رحمہ اللہ نے صرف پانچ چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ دجال کا خروج ہوگا ۲۔ حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور امام مہدی کی اقتداء کریں گے ۳۔ سکندر ذوالقرنین نے جس آہنی دیوار سے یاجوج اور ماجوج کا راستہ بند کر رکھا ہے وہ دیوار ٹوٹے گی اور وہ نکل کر دنیا میں فساد پھیلائیں گے پھر اللہ تعالیٰ اُن کو ایک بیماری میں مبتلا کر کے وہ سب مرجائیں گے۔ ۴۔ سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا اور پھر اس کے بعد کسی کافر کا ایمان اور فاسق کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ ۵۔ صفا پہاڑ پھٹ کر اس سے ایک چوپایہ نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔ حدیث کی کتابوں میں اشراط الساعۃ کا ایک مستقل عنوان ہے جس کے تحت یہ سارے علامات موجود ہیں۔

کاھن اور نجومی کی بات پر کوئی اعتماد نہیں۔

عقیدۃ: ۱۰۱ "وَلَانُصَدِّقُ كَاهِنًا وَلَاعَرَّافًا وَلَامَنْ يَدَّعِي شَيْئًا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَإِجْمَاعَ الْأُمَّةِ."

---

(۱) یٰسٓ ۵۹

ترجمہ: ''اور ہم کسی کاہن کی تصدیق نہیں کریں گے اور نہ نجومی کی اور نہ اس شخص کی جو کسی ایسی شے کا دعویٰ کرے جو کتاب اور سنت اور اجماع کے خلاف ہو۔''

حل لغات:۔ کاھن: اس سے مراد وہ شخص ہے جو مستقبل میں واقع ہونے والی چیزوں کی خبر دے۔ پوشیدہ چیزوں کی معرفت کا دعویٰ کرے اور غیب کی باتیں سنائے۔ عراف: جو ستاروں کے ذریعے یا اور کسی ذریعے سے مخفی باتوں کے جاننے کا دعویدار ہو مثلاً چور کا پتہ بتلانا یا گمشدہ چیز کا پتہ بتلانا۔

تشریح:۔ علم غیب باری تعالیٰ کی صفت ہے کسی اور میں یہ صفت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار غیب کی باتیں سناتے تھے لیکن بذریعہ وحی سناتے تھے اگر آپ کے پاس وحی کے ذریعے اطلاع نہ آتی تو آپ کو بالکل ہی علم نہ ہوتا مثلاً عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا جب تک وحی نہیں آئی تھی اُسی وقت آپ کو بالکل ہی علم نہیں تھا۔

عراف اور کاھن کے پاس آنا اور اُن کی بات ماننا حرام اور ناجائز ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ آتیٰ عَرّافاً فَسَأَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً (۱) ترجمہ: جو کسی عراف (نجومی) کے پاس آئے اور اُس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے تو اُسکی چالیس رات کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ مَنْ آتیٰ عَرَّافًا اَوْ کَاهِنًا فَصدقه بما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد(۲)

جو شخص عراف یا کاہن کے پاس آئے اور جو کچھ وہ کہے اُسکی تصدیق کرے تو اُس نے اُس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔

اس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب پوچھنے والے کا یہ حال ہے تو جو خود کاہن

---

(۱) مسلم، مسند احمد (۲) مسند احمد

اور عراف ہے اُس کا کیا حکم ہوگا۔

مسند احمد کی ایک اور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" لَیْسُوْا بِشَیْءٍ " اُن کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ کچھ ایسی باتیں بتاتے ہیں جو سچ بھی ہوتی ہیں تو رسولؐ نے فرمایا کہ یہ وہ حق بات ہوتی ہے جس کو جن اچک لاتا ہے اور اُس کو اپنے دوست کے کان میں رکھتا ہے پھر وہ لوگ اس میں سو جھوٹ سے زیادہ ملا دیتے ہیں۔ آج کل نجومیوں کے پاس جانا لوگوں کی عادت بن گئی ہے۔ آج کل دیواروں پر نجومیوں کے نام اور پتے لکھے جاتے ہیں اخبارات میں اشتہارات آتے ہیں اور لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ سادہ لوح اور توہم پرست لوگوں نے اُن کی دوکان گرم کر رکھی ہوتی ہے گورنمنٹ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان قسم کی لوگوں کی بیخ کنی کر دے ورنہ اس سے ایک طرف تو عذاب الٰہی کا خطرہ ہے کہ معاشرے میں ایک عام منکر ہو رہا ہے اور دوسری طرف ہمارے لوگوں کے عقائد خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بھی اپنے مواعظ اور خطبات میں لوگوں کی ذھن سازی کرے اور اس منکر سے بچانے کی سعی کرے۔

فرقہ واریت کی مذمت

عقیدۃ: ۱۰۲ "وَنَرَىٰ الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا وَالْفُرْقَةَ زَيْغًا وَعَذَابًا."

ترجمہ: "ہم جماعت کو حق اور درست سمجھتے ہیں اور فرقہ بندی کو کج روی اور عذاب گردانتے ہیں۔"

حل لغات:۔ صَوَابًا حق تک پہنچا ہوا۔ الفُرْقَہ فرقہ بندی، زَیْغًا کج روی۔

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ اس عقیدے میں اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اجتماعیت اور اتفاق میں دنیا اور آخرت کی خیر و برکت ہے۔ افتراق اور فرقہ واریت دنیا میں پریشانی اور آخرت میں خسران ہے۔ جماعت صحابہ، تابعین اور علماء حق کی جماعت کی اتباع کی جائے اور اس جماعت حقہ سے جدا ہونے

میں کجی اور عذاب سمجھتے ہیں البتہ اگر یہ اختلاف فروعات میں ہو اور بنا بر اجتہاد ہو تو یہ مذموم نہیں بلکہ محمود اور قابل تعریف ہے اور اس اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے اس کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَلَاتَفَرَّقُوْا (۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقے پیدا نہ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (۲)

ترجمہ: جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔

ان آیات میں فرقہ بندی اور اختلاف کی مذمت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو اتفاق کی تاکید بیان کی گئی ہے۔ لہذا نظریاتی طور پر ہر مسلمان کو اہل السنۃ والجماعت کے ساتھ وابستہ رہنا ضروری ہے یہ سواد اعظم والی جماعت ہے اس نظریاتی وابستگی کی بناء پر پوری دنیا کے مسلمان صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک اور قیامت تک ایک رہیں گے جو اُن کے ساتھ وابستہ رہیں گے محفوظ رہیں گے۔

اختلاف کی حقیقت:

شریعت کے دلائل چار قسم کی ہیں

۱۔ قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ

۲۔ قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ

---

(۱) آل عمران ۱۰۳ (۲) الانعام ۱۵۹

۳۔ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ

۴۔ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ

پہلی قسم سے ثابت ہونے والے مسائل کو اصولی مسائل کہتے ہیں ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی بقیہ تین قسم کے دلائل سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں وہ فروعی مسائل کہلاتے ہیں جن میں اختلاف اور اجتھاد کی گنجائش موجود ہے چار مشہور مسالک کا اختلاف یہی فروعی اختلاف ہے اس اختلاف کیلئے چند باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔اھلیت: اختلاف کا اہل ہو یعنی مجتھد ہو جیسے کہ دو ڈاکٹروں کا اختلاف اور دو وکیلوں کا اختلاف ہوسکتا ہے ٹھیک اسی طرح دو مجتہدین کا بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔غیر ڈاکٹر کو ڈاکٹر کے ساتھ اختلاف کا کیا حق ہے۔آج کل غیر مقلدین جو مجتہدین کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں یہ نااہل کا اہل کے ساتھ اختلاف ہے۔شافعی کا حنفی کے ساتھ اختلاف درست ہے کیونکہ دونوں صحیح مسلک کے پیروکار ہیں۔

۲۔اختلاف میں خواھش پرستی اور نفس پرستی نہ ہو۔

۳۔دوران اختلاف تعصب نہ ہو کسی بندے کی بات کو اس لیے درست قرار دیا جائے کہ وہ اپنی جماعت کا ہے اور دوسرے کی درست بات کو اس لیے غلط کہہ دے کہ وہ اپنی جماعت کا بندہ نہیں یہ تشدد اور تعصب ہے ایسے بندے کو اختلاف کا حق نہیں۔

۴۔دوران اختلاف اخلاص کا ہونا ضروری ہے یعنی یہ اختلاف خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو جب رضاء الٰہی مقصود ہو تو پھر حق قبول کرنا بھی آسان اور اپنی بات سے رجوع کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔

لہذا ان شرائط کے ساتھ اگر فروعی اختلاف ہو تو ان شاء اللہ یہی اختلاف رحمت خداوندی ثابت ہو کرامت میں جوڑ کا ذریعہ بنے گا نہ کہ توڑ کا۔

دین اسلام ہی عنداللہ مقبول ہے

عقیدۃ:۱۰۳ "وَدِيْنُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَاحِدٌ وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ﴾(۱)

ترجمہ: ''اور زمین وآسمان میں اللہ عزوجل کا دین ایک ہے اور وہ دین اسلام ہے اللہ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ﴾ دین تو اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہے نیز اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: ﴿وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا(۲)﴾ اور اللہ ہی آسمان کا خالق ہے اور وہی زمین کا خالق ہے اور وہی ان دونوں کا مالک اور ان دونوں کے اندر معبود ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ زمین وآسمان میں اس کا دین اسلام ہی ہے۔''

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں لوگوں کو زندگی گزارنے کا ضابطہ دیا ہے۔ یہ ضابطے انسانی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق پر حاوی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی ہے۔ کہ وہ خود اپنی طرف سے دین گھڑ لے یا بے دین ہو جائے۔ جب انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی تو اب دین بھی اللہ تعالیٰ ہی دیں گے۔ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی دیا ہے کیونکہ عقائد، اخلاق اور اصول دین میں سب متفق رہے ہیں بعض فروع میں مصلحت زمانہ کی وجہ سے کچھ تفاوت ہے اسی طرح دین کے قائم رکھنے کے طور طریقے ہر دور میں الگ الگ رہے اس لیے فرمان الٰہی ہے۔ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا. (۳) ترجمہ: ہر ایک کو ہم نے دیا دستور اور راہ۔

ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے جو دین بھیجا تھا وہ حق اور سچ تھا ہمارے دور کا دین حقہ اسلام ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْهُ(٤)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین اسلام ہی ہے جو اسلام کے علاوہ دین تلاش کرے تو اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

---

(۱) آل عمران، ۱۹ (۲) المآئدہ ۳ (۳) المآئدہ ۴۸ (۴) آل عمران ۱۹، ۸۵

ہر نبی کے زمانے میں اُن کا لایا ہوا دین ہی حق اور مقبول عند اللہ تھا جو بعد میں یکے بعد دیگرے منسوخ ہوئے۔ آخر میں خاتم الانبیاء کا دین دین اسلام کہلایا جو حق اور سچ ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت تک باقی رہے گا اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا میں نے تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔ یعنی جو شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے اب صرف وہی شریعت قابل قبول ہے اس کے علاوہ ادیان اگرچہ اپنے زمانے میں حق اور سچ تھے لیکن دین اسلام کے بعد اب وہ تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو گئے اب نجات کا واحد راستہ دین محمدی کو قبول کرنا اور شریعت محمدی پر عمل پیرا ہونا ہے اگر اسلام کے علاوہ کوئی اور دین پر عمل کرتا رہا تو نہ عند اللہ مقبول ہے اور نہ نجات کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان فرمایا وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ. (۱)

دین اسلام معتدل دین ہے

عقیدۃ: ۱۰۴ "وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ وَبَيْنَ التَّشْبِيهِ ، وَالتَّعْطِيلِ وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ وَبَيْنَ الْأَمْنِ وَالْإِيَاسِ."

ترجمہ: "یہ دین افراط وتفریط، تشبیہ وتعطیل، جبر وقدر بے خوفی اور ناامیدی کے مابین ہے۔"

تشریح:۔ مصنف رحمہ اللہ اس عقیدے میں دین اسلام کی صفات بیان کر رہا ہے کہ حق اور سچ تو ہے ہی ساتھ ساتھ ہر لحاظ سے معتدل دین ہے جو کہ ہر قسم کے افراط اور تفریط غلو اور تقصیر سے پاک ہے۔ اس امت کے بارے میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو پیشن گوئیاں سابقہ کتب میں دی گئی تھیں اُن میں بھی یہی بات تھی کہ نبی آخر الزمان کا دین ہر لحاظ سے معتدل ترین دین ہوگا جو کہ ہر قسم کے افراط اور تفریط سے خالی ہوگا اگر کہیں غلو یا افراط وتفریط پایا جائے تو سمجھ لو کہ یہ لوگوں نے کیا

---

(۱) آل عمران ۸۵

ہے فی نفسہ اسلام میں غلو نہیں ہے اور غلو سے منع کیا گیا ہے۔ قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ لَاتَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ (۱)

ترجمہ: اے اہل کتاب مبالغہ نہ کرو ناحق اپنے دین کی بات میں۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَاتَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلَالاً طَیِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ (۲)

ترجمہ: اے مومنو جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اُن کو حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا جو حلال اور پاکیزہ روزی اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے اُسے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ یہ وہ اعتدال ہے جسکی طرف اللہ تعالیٰ نے دعوت دی ہے۔ یہ وہ دین اسلام ہے جس میں نہ غلو سے کام لیا گیا ہے اور نہ تقصیر سے نہ وہ راھبانہ انداز اختیار کیا گیا جو ادیان سابقہ میں موجود تھا اور نہ ہی لوگوں کو آزاد اور بے مہار چھوڑ دیئے ہیں کہ بس چوپایوں جیسے زندگی گزارے اور حلال اور حرام کی تمیز ہی نہ رہے۔ یہ دین اسلام ہے اور یہ اس دین کی صفات عالیہ ہیں۔

بعض لوگوں نے اللہ کو اور اُسکی صفات کو مخلوق کی ذات اور صفات کے ساتھ تشبیہ دینا شروع کر دیا جن کو مشبہ کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ عقیدہ باطل ہے جبکہ بعض لوگوں نے صفات باری تعالیٰ سے انکار کر دیا جسکی وجہ سے اس کو فرقہ معطلہ کہتے ہیں یہ بھی باطل ہے۔ لہذا راہ حق میں نہ تشبیہ ہے اور نہ صفات سے انکار۔ اسی طرح بعض لوگوں نے انسان کو مجبور محض مان کر یہ جبریہ کہلائے اور بعض نے قادر مطلق مان کر قدریہ کہلائے تو دین حق جبر اور قدر دونوں سے بے زار ہے

---

(۱) المآئدہ، ۷۷ (۲) المآئدہ ۸۷، ۸۸

اور دونوں کے درمیان ہے۔ اسی طرح انسان نہ تو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو اور نہ رحمت الٰہی سے ناامید بلکہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہو۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا بھی رہے اور ناامید بھی نہ رہے۔ خوف اور امید کے دو پروں کو لے کر زندگی گزارے گا۔

کتاب کا خلاصہ

عقیدۃ: ۱۰۵ "فَهٰذَا دِيْنُنَا وَاعْتِقَادُنَا ظَاهِرًا وَبَاطِنًا، وَنَحْنُ بُرَآءُ إِلَى اللهِ مِنْ كُلِّ خَالَفَ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ بَيَّنَّاهُ ، وَنَسْأَلُ اللهَ تَعَالَىٰ أَنْ يُثَبِّتَنَا عَلَى الْإِيْمَانِ ، وَيَخْتِمَ لَنَا بِهِ، وَيَعْصِمَنَا مِنَ الْأَهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ ، وَالآرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ ، وَالْمَذَاهِبِ الرَّدِيَّةِ ، مِثْلَ الْمُشَبِّهَةِ ، وَالْمُعْتَزِلَةِ، وَالْجَهْمِيَّةِ ، وَالْجَبْرِيَّةِ، وَالْقَدَرِيَّةِ، وَغَيْرِهِمْ مِنَ الَّذِيْنَ خَالَفُوا السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ ، وَخَالَفُوا الضَّلَالَةَ ، وَنَحْنُ مِنْهُمْ بُرَآءُ، وَهُمْ عِنْدَنَا ضَلَالٌ وَأَرْدِيَاءُ ، وَبِاللهِ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ."

ترجمہ: "یہ ہمارا دین ہے اور ظاہر و باطن میں یہی ہمارا عقیدہ ہے، ہم ہر اس انسان سے بری ہیں جس نے ان باتوں کی مخالفت کی جن کا ہم نے اس کتاب میں تذکرہ کیا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور ہمیں مختلف خواہشات نفسانی، متفرق آراء، مشبہ، معتزلہ، جہمیہ، قدریہ وغیرہ باطل مذاہب سے بچائے جنہوں نے سنت اور جماعت کی مخالفت کی اور گمراہی سے دوستی کی، ہم ان سے بیزار ہیں وہ ہمارے نزدیک اور ہلاکت میں پڑنے والے ہیں۔" وَبِاللهِ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ

تشریح:۔ فھذا سے اُن مضامین کی طرف اشارہ ہے جن کو شروع کتاب سے لے کر آخر کتاب تک بیان فرمایا۔

مصنف رحمہ اللہ نے بڑی قیمتی اور بنیادی عقاید بیان کرنے کے بعد اب بطور خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد وہ ہے جس کا ہم نے بیان کیا یہ اہل حق کا مسلک ہے جس میں نہ افراط

ہے اور نہ تفریط ہے بلکہ اعتدال کا راستہ ہے۔ جو ان مذکورہ عقائد کا حامل نہیں اُن سے ہم براءت کا اعلان کرتے ہیں اُن کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ دین اور اعتقاد کا تعلق ظاہر اور باطن کے ساتھ ہے۔ خلوت اور جلوت میں دینداری اور خشیت الٰہی ضروری ہے۔ صحیح اور اعتدال کے ساتھ دین پر چلتے ہوئے غلط اعتقاد والوں سے براءت ضروری ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے بتایا کہ صحیح مذہب پر ثابت قدمی اور اس پر خاتمہ کی دعا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ آدمی ابتداء سے لے کر انتہاء باری تعالیٰ کا محتاج ہے لہذا گمراہ کرنے والی قوتوں سے بچنے کی دعا بھی مانگے تو مصنف رحمہ اللہ نے خود دربار الٰہی میں دعا مانگی ہے کہ اے اللہ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہم کو دین اسلام پر استقامت نصیب فرما ہمیں نفسانی خواہشات، مختلف خیالات، بے کار اور لغو مذاہب باطلہ سے ہماری حفاظت فرما اور پھر مصنف رحمہ اللہ نے بطور نمونہ چند باطل فرقوں کا تذکرہ کیا ہے جیسے مشبہ، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ اور قدریہ وغیرہ۔ یہ سب گمراہ فرقے ہیں۔ ہم گمراہ فرقوں سے بری ہیں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست ہے۔ جن فرقوں کا تذکرہ مصنف رحمہ اللہ نے کیا ہے ان کا ذکر مقدمہ میں موجود ہے۔

وَمَاتَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ.

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

۷ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۳ جون ۲۰۱۶

بروز پیر ساڑھے گیارہ بجے دن

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ
بالمقابل صدر پلازہ اردو بازار محلہ جنگی پشاور
091 - 2580103

الجنت پرنٹرز
0333-9385927